نگار

قیمت ۸/

تصانیف حضرت نیاز فتحپوری

نگارستان
حضرت نیاز کے بہترین افسانوں، مقالات اور شاعرانہ نثر کا مجموعہ۔ نگارستان [illegible] ہے جو قبولیت حاصل کر چکی ہے [illegible] کہا جا سکتا ہے کہ اس میں [illegible] مضامین [illegible] مختلف [illegible] قیمت [illegible]

گہوارۂ تمدن
[illegible] حضرت نیاز کی [illegible] کتاب [illegible] تاریخ اور [illegible] سے ثابت کیا گیا ہے کہ [illegible] تمدن میں عورت نے [illegible] اور [illegible] تہذیب و شائستگی [illegible] بالکل نئی [illegible] قیمت [illegible] محصول [illegible]

شہاب کی سرگزشت
حضرت نیاز کا وہ معرکۃ الآرا [illegible] افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہو [illegible] کی تخلیق [illegible] کی بلندی [illegible] قیمت علاوہ محصول [illegible]

فراست الید
مولانا نیاز فتحپوری کی جس کے مطالعہ سے ایک شخص [illegible] ہاتھ کی شناخت [illegible] کو دیکھ کر [illegible] سیرت عروج و زوال [illegible] قیمت [illegible] علاوہ محصول [illegible]

شاعر کا انجام
جناب نیاز کے عنفوان شباب کا [illegible] جس میں شوق کی [illegible] ایک [illegible] اپنے جذبات اور [illegible] دوسری [illegible] قیمت علاوہ محصول [illegible]

جذبات بھاشا
جناب نیاز نے [illegible] کے ساتھ [illegible] شاعری کے نمونے پیش کر کے [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] قیمت [illegible]

صحابیات
جس میں عہد رسالت کی [illegible] خواتین کے مستند حالات بیان کر دیے گئے ہیں اس کا مقدمہ مولانا نے خاص [illegible] انشاء میں لکھا ہے اس کتاب میں سیر الصحابیات سے زیادہ صحابیات کے حالات درج ہیں۔ طباعت و کتابت نہایت نفیس۔ قیمت علاوہ محصول [illegible]

نقاب اٹھ جانے کے بعد
تین افسانوں کا مجموعہ جن میں بتایا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں۔ زبان و لطافت انشاء و تخیل کے لحاظ سے تعریف فضول ہے اور حضرت نیاز کا نام کافی ضمانت ہے قیمت ۵ علاوہ محصول۔

مذاکرات نیاز
یعنی حضرت نیاز کی [illegible] جو ادبیات و تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے۔ ایک بار اس کو شروع کر دینا [illegible] پڑھ لینا ہے۔ اس کتاب کی بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت ۱۲ر علاوہ محصول

فلاسفۂ قدیم
اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین [illegible]
۱- [illegible] فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ
۲- مادیین کا مذہب
۳- حرکت کے کرشمے
نہایت مفید و دلچسپ کتاب ہے قیمت [illegible] علاوہ محصول

تاریخ الدولتین
جرجی زیدان کی تاریخ تمدن اسلام کی چوتھی جلد کا ترجمہ جس میں عہد بنی امیہ و بنی عباس کی سیاسیات پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے جرجی زیدان کی یہ کتاب [illegible] شہرت حاصل کر چکی ہے قیمت [illegible] علاوہ محصول

[illegible]
مصنفہ کامل پاشا [illegible] مشہور عالم کتاب [illegible] یہ وہ کتاب ہے [illegible] یورپ و ایشیا [illegible] سیاسیات [illegible] تھی اور جس نے [illegible] ترکی و مصر و عرب و حجاز میں انقلاب کی روح پھونک دی قیمت [illegible] علاوہ محصول

دیگر مصنفین کی قابل مطالعہ کتابیں

تذکرۂ خندۂ گل
مولفہ عبد الباری آسی جس میں ۳۰۰ صفحات سے زائد اردو و فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات معہ ان کے لطائف و ظرائف و انتخابات کلام [illegible] قیمت مع محصول [illegible]

مثنوی لالہ رخ
طامس مور کی معرکۃ الآرا مثنوی کا مکمل ترجمہ ادبی شاہکار کتاب بے مثل نمونہ قیمت مع محصول [illegible]

مثنوی زہر عشق
مرتبہ [illegible] جس میں [illegible] بہترین ادیبوں کا مقدمہ شامل ہے اور کئی تصویریں دی گئی ہیں [illegible] قیمت [illegible]

فراست التحریر مکمل
یعنی اردو اور انگریزی رسم خط [illegible] تحریر دیکھ کر ایک شخص کی سیرت چال چلن مستقبل اور تمام حالات معلوم کرنے کا فن اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے قیمت ۸ر علاوہ محصول۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگار

اڈیٹر:۔ نیاز۔ فتحپوری

شمار ۱	جولائی سنہ ۴۲ء	جلد ۳۲

ملاحظات

بہ سلسلۂ

"عبد الماجد دریابادی بے نقاب"

گزشتہ ماہ کے نگار میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے واقعات طلاق پر جنھیں عبد الماجد دریابادی نے سند اُپیش کرکے اپنے فعل طلاق کو جائز و مناسب قرار دیا ہے، بحث کریں گے، چنانچہ اس ماہ کے ملاحظات پھر اسی مسئلہ کے لئے وقف کئے جاتے ہیں۔

عبد الماجد دریابادی نے اپنے خطوط و مضامین میں تحریر کیا ہے کہ "رسول اللہ نے جناب سودہ و جناب حفصہ کو طلاق دینے کے بعد رجعت فرمالی اور عمرہ بنت یزید و اسماء بنت نعمان کو طلاق دی اور واپس نہیں لی"

عبد الماجد نے اس بیان سے گویا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ نے بارہا طلاقیں دی ہیں

اور اس لئے اگر کوئی مسلمان رسول اللہ کے تتبع میں نکاح کرکر کے طلاقیں دیتا رہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ چونکہ عبدالماجد کا یہ استدلال رسول اللہ کے اخلاق گرامی پر ایک سخت حملہ کی حد تک پہونچتا ہے اور بہ الفاظ دیگر گویا غیر مسلمین کے اس الزام کی تائید ہے کہ رسول اللہ کی کثرت ازدواج خواہش نفسانی کی بنا پر تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے واقعات طلاق پر روایتاً و درایتاً دونوں طرح نگاہ ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ کیا واقعی رسول اللہ کا اخلاق ویسا ہی تھا جیسا عبدالماجد کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے یا حقیقت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم جناب سودہ کے واقعۂ نکاح وطلاق سے بحث کرتے ہیں۔

(۱) جناب سودہ سب سے پہلے اسلام لانے والی خواتین میں سے تھیں اور آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔ جب آپ معہ اپنے شوہر کے اسلام لے آئیں تو مشرکین مکہ نے سخت اذیتیں پہونچانا شروع کیں اور آپ اپنے شوہر کو ساتھ لیکر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

ہجرت نبوی سے تین سال قبل آپ پھر مکہ واپس آئیں اور چند دن بعد آپ کے شوہر جنھوں نے حبش جاکر عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا، انتقال کر گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب جناب خدیجہ کا انتقال ہوچکا تھا اور اس وقت تک کوئی اور نکاح رسول اللہ نے نہ کیا تھا۔ آپ کی عمر ۵۰ سال کی ہوچکی تھی اور جناب سودہ آپ سے غالباً کچھ بڑی ہونگی۔ بعثت کے بعد صرف دس سال کی مدت گزری تھی، کفار مکہ مسلمانوں کی مختصر جماعت کو ہر طرح کی اذیتیں پہونچا رہے تھے اور آپ کا کوئی لمحہ اس فکر سے خالی نہ گزرتا تھا کہ متبعین اسلام کو کیونکر ان مصائب سے نجات دلائیں۔ اور کس طرح ان کی ہمدردی کریں، پھر چونکہ جناب سودہ اسلام لانے کے لحاظ سے سابقون الاولون میں داخل تھیں اور جلاوطنی، خانماں بربادی کے علاوہ ہر طرح کی مالی و بدنی تکالیف برداشت کر چکی تھیں اس لئے سخت ضرورت تھی کہ عالم بیوگی میں انکی مدد کیجائے اور اس کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ ہوسکتا تھا کہ آپ ان کو حبالۂ عقد میں لے آتے۔ چنانچہ آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

اب اس کے ساتھ ہی ان وجوہ پر بھی غور کیجئے جن کی بنا پر رسول اللہ کا آپ کو طلاق دینا یا طلاق دینے کا ارادہ کرنا بتایا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سنہ ۸ ہجری میں (یعنی نکاح کے تقریباً گیارہ سال بعد) رسول اللہ نے جناب سودہ کو طلاق دی یا دینا چاہی اس بنا پر کہ آپ بہت ضعیف ہوگئی تھیں اور جسم میں غیر معمولی فربہی پیدا ہوگئی تھی، لیکن جب آپ نے اپنی باری کا دن جناب عائشہ کے حق میں چھوڑ دیا تو رسول اللہ نے طلاق واپس لے لی یا طلاق کے ارادہ سے باز آگئے اور یہ آیت نازل ہوئی :-

وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر

(یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے علیحدگی و بے پروائی کا اندیشہ پیدا ہو تو کوئی حرج نہیں اگر آپس میں صلح کریں کیونکہ ملاپ بہر حال بہتر ہے)

اگر ہم اس بیان کو صحیح باور کریں تو لامحالہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ رسول اللہ نے صرف اس لئے آپ کو طلاق دینی چاہی کہ آپ زیادہ ضعیف ہوگئی تھیں اور آپ یہ چاہتے تھے کہ جو دن ان کے پاس بسر ہوتا ہے وہ جناب عائشہ کے پاس بسر ہو جو زیادہ کمسن و محبوب بیوی تھیں۔

پھر کون ہے وہ شخص جو درایتاً ایک لمحہ کے لئے اس کی صحت پر یقین لا سکتا ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ نے ایک ایسی خاتون کو جو سب سے پہلے اسلام لائی ہوں، جنھوں نے اسلام کے لئے ایسی ایسی سختیاں برداشت کی ہوں اور ضعیفی و بیکسی کے عالم میں جن کی سرپرستی آپ نے قبول فرمائی ہو، ان کو محض بڑھاپے کے عذر پر یا صرف اس غرض سے کہ دوسری کمسن بیوی کے پاس آپ کو زیادہ وقت صرف کرنے کو ملے، طلاق دیدی ہو یا طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو ایک معمولی انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ذات نبوی جو یکسر ایثار و قربانی، از سرتا پا رحم و کرم اور ہمدردی والفت تھی۔

جناب خدیجہ سے جس وقت آپ نے نکاح کیا آپ کی عمر ۲۵ سال اور جناب خدیجہ کی ۴۰ سال تھی، لیکن اس وقت آپ نے عمر کی اس تفاوت کا خیال نہ کیا درآنحالیکہ آپ کا عنفوان شباب تھا۔ لیکن جب آپ کی عمر ۶۰ سال کی ہو جاتی ہے تو آپ کو ایک اپنی ہمسن بیوی سے بھی نباہ کرنے میں تامل ہونے لگتا ہے!

اگر یہ صحیح ہے، تو اس کے معنے صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ چونکہ جناب خدیجہ کے ساتھ نکاح ہونے کے وقت آپ بالکل بے یار و مددگار تھے اس لئے کچھ نہ بولے اور جب ہجرت کے بعد آپ کا اقتدار بڑھ گیا تو طبیعت میں رنگینی پیدا ہوگئی کہ دس سال کی رفیق حیات کو صرف اس لئے چھوڑ دینا چاہا کہ وہ آپ کی ہمسن تھیں اور دوسری بیوی زیادہ کمسن مل گئی تھیں! (نعوذ باللہ)

اگر ایک نبی کے اخلاق یہی ہو سکتے ہیں، اگر ایک رسول کی سیرت اسی طرح کی ہوا کرتی ہے اور اگر محض روایات کی بنا پر بغیر درایت کو استعمال کئے ہوئے رسول کی ذات گرامی سے ایسے افعال کو منسوب کرنا جائز ہو سکتا ہے تو کیوں ان غیر مسلمین کے اعتراضات پر ہمارے علمائے کرام چراغ پا ہوتے ہیں۔ جنھوں نے خود مسلمانوں ہی کے مذہبی روایات سے اعتراض کا تمام مواد فراہم کیا ہے۔

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ ہم روایات کی بنا پر رسول اللہ کی سیرۃ متعین کرتے ہیں لیکن اصول اخلاق متعین کر کے ان روایات کی جانچ نہیں کرتے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اہل عرب میں جہاں اور بہت سی معاشرتی تنگ نظریاں پائی جاتی تھیں وہیں

ایک تنگ نظری یہ بھی تھی کہ جب عورت ضعیف و ناکارہ ہو جاتی تھی تو اُسے طلاق دیدیتے تھے، اس لئے جناب سودہ کو خود ہی اپنے دل میں کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا تھا کہ مبادا رسول اللہ بھی ایسا ہی کریں، اس لئے آپ نے بطور دفع دخل پہلے ہی سے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کے حق میں تفویض کر دیا، درانحالیکہ رسول اللہ کے ذہن میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا اور نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ایسی مخیرہ اور دس سال کی رفیق حیات بیوی کو بغیر کسی معقول وجہ کے چھوڑ دیں۔ چنانچہ بخاری کے اکیسویں جزو میں جو روایت مالک بن اسماعیل سے نقل کی گئی ہے، اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ نے طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اسکے الفاظ یہ ہیں :۔

ان سودۃ بنت زمعۃ وھبت یومھا لعائشہ وکان النبی صلعم تقسیم لعائشہ بیومھا و یوم سودۃ

(یعنی سودہ بنت زمعہ نے اپنا دن عائشہ کو دیدیا تھا اور رسول اللہ جناب عائشہ کے پاس علاوہ ان کے یوم مقررہ کے سودہ کا دن بھی بسر کیا کرتے تھے)

کلام مجید کی جو آیت پہلے نقل کی گئی ہے اس کے متعلق بھی بعض مفسرین کا خیال یہی ہے کہ وہ عام حکم ہے اور اسکا تعلق جناب سودہ سے نہیں ہے۔

لیکن اگر اس کے بعد بھی عبدالماجد دریابادی یا کسی اور کو اس امر پر اصرار ہے کہ نہیں رسول اللہ نے یقیناً جناب سودہ کو طلاق دی یا طلاق دینے کا ارادہ کیا تو براہ کرم یہ بھی بتایا جائے کہ طلاق کس سبب کی بناء پر دی گئی تھی اگر وہ سبب صرف جناب سودہ کی ضعیفی تھا جیسا کہ یقین کیا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نکاح کا تعلق صرف شہوانی جذبات سے ہے اور جب کسی کی بیوی ضعیف ہو جائے تو بڑھاپے میں اس کو گھر سے نکالدینا کوئی معیوب بات نہیں۔ کم از کم میں تو قیامت تک اس کے ماننے کے لئے طیار نہیں۔ اور اگر عبدالماجد اسپر اصرار کرکے رسول اللہ کے اخلاق کی توہین گوارا کر سکتے ہیں تو اُن کو یہ گستاخی مبارک ہو۔

(۲) جناب حفصہ کے متعلق۔ جناب عبدالماجد صاحب دریابادی نہایت ہی فاضلانہ و عالمانہ انداز سے سچ میں فرماتے ہیں کہ "حضور کا حضرت حفصہ کو طلاق دینا اور پھر اُسے واپس لینا ایک مشہور و معلوم واقعہ ہے" درانحالیکہ "یہ مشہور و معلوم" واقعہ کسی ایک معتبر روایت سے بھی ثابت نہیں۔

جناب حفصہ کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم واقعہ وہ ہے جو تحریم کے نام سے موسوم ہے لیکن اس کو طلاق سے کوئی واسطہ نہیں، دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی بات راز کی رسول اللہ نے جناب حفصہ سے کہی تھی اور تاکید کردی تھی کہ کسی سے بیان نہ کرنا، لیکن جناب حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہدی، اسپر یہ آیت نازل ہوئی

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا الخ

اس کے بعد حضرت عائشہ و حضرت حفصہ دونوں نے متفق ہو کر معاملہ کو سلجھانا چاہا تو یہ آیت اتری:-

وان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما الخ

اگر اسی واقعہ کو ان آیتوں کی شان نزول باور کر لی جائے تو بھی اس سلسلہ میں کوئی حدیث ایسی نہیں پائی جاتی جس سے جناب حفصہ کی طلاق ثابت ہوتی ہو۔

ایک اور خاص واقعہ ایلا و تخییر کا ہے جسکی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات نے ایک بار رسول اللہ سے مطالبہ کیا کہ ان کو مصارف کے لئے مال غنیمت میں سے کچھ اور زیادہ دیا جائے، ان اصرار کرنے والیوں میں جناب عائشہ و جناب حفصہ بھی تھیں اتفاق سے اسی زمانہ میں آنحضرت کے پاؤں میں موچ آگئی[1] اور آپ نے ایک بالاخانہ میں قیام فرما کر ارادہ کیا کہ ایک ماہ تک کسی بیوی سے نہ ملیں گے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی، جب حضرت عمر نے سنا تو آپ گھبرائے ہوئے آئے اور رسول اللہ سے دریافت فرمایا تو آپ نے کہا کہ یہ خبر غلط ہے میں نے کسی کو طلاق نہیں دی۔

جب ۲۹ دن کے بعد رسول اللہ بالاخانہ سے نیچے اترے تو حضرت عائشہ کے پاس آئے اور سورۂ احزاب کی آیت تلاوت فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر دنیاوی راحت مطلوب ہے تو آؤ میں تمکو اچھی طرح رخصت کردوں اور اگر اللہ، رسول و دار آخرت پسند ہے تو تم میں سے نیک عورتوں کے لئے خدا نے بڑا ثواب رکھا ہے (سورۂ احزاب آیت ۲۸-۲۹)

اس سلسلہ میں بھی کسی جگہ طلاق کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ابن ماجہ میں ایک حدیث حسب ذیل ضرور پائی جاتی ہے:-

"حدثنا سوید بن سعید و عبد اللہ بن عامر بن زرارة و مسروق ابن المرزبان قالوا حدثنا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدة عن صالح بن صالح بن حی عن سلمة بن کھیل عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ صلعم طلق حفصة ثم راجعھا"

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے جناب حفصہ کو طلاق دی اور واپس لی۔ لیکن اس کے آخری راوی سوید بن سعید کے متعلق خلاصۃ التہذیب میں یہ عبارت پائی جاتی ہے کہ:-

"ضعفہ ابن المدینی و النسائی و ابن عدی و افحش ابن معین فکذبہ"

اور ایک اور درمیانی راوی، سلمہ بن کہیل جس طبقہ سے متعلق تھے ظاہر ہے اور اس لئے حضرت عمر کی صاحبزادی کے متعلق ان کی کوئی روایت اصول حدیث کے رو سے قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

پھر جب یہ روایت کسی معتبر کتاب حدیث میں نہیں پائی جاتی اور ابن ماجہ میں بھی اس صورت سے پائی جاتی ہے

---

[1] صحیح بخاری میں انس بن مالک کی روایت ہے کہ۔ آلی رسول اللہ صلعم من نساءہ وکانت انفکت رجلہ (پاؤں میں موچ آگئی تھی) فاقام فی مشربۃ

کہ اس کے بعض راوی مجروح وغیر ثقہ ہیں تو میں حیران ہوں کہ حضرت حفصہ کے واقعۂ طلاق کو "مشہور و معروف" کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اور عبدالماجد دریابادی نے کس وثوق پر ایسا لکھدیا۔ کیا صرف اس لئے کہ انکے واقعۂ طلاق کے لئے کوئی نہ کوئی سند پیش کرنا لازم تھا۔

(۳) عمرہ بنت یزید و اسماء بنت نعمان کو طلاق دینا بیشک ثابت ہوتا ہے، لیکن ان دونوں بیویوں کو آپ نے مباشرت سے قبل طلاق دیدی تھی۔ یعنی عملی طور سے رشتۂ نکاح وابستہ نہ ہوا تھا کہ اُن کو علحدہ کر دیا گیا۔ علاوہ اس کے طلاق دینے کے کھلے اسباب موجود تھے۔ کیونکہ عمرہ بنت یزید کے سفید داغ بعد کو ظاہر ہوئے اور اسماء بنت نعمان نے خود ہی مباشرت کو پسند نہ کر کے خدا سے پناہ مانگی۔

چنانچہ تاریخ الخمیس میں عمرہ بنت یزید کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"فرئی بکشحہا بیاضا فقال دلستم علی فردوھا"

یعنی اُس کے سفید داغ دیکھے گئے پس رسول اللہ نے فرمایا تم نے دھوکا دیا اور اس کو واپس کر دیا اور اسماء بنت نعمان کے متعلق بخاری میں یہ حدیث موجود ہے:۔

"لما دخلت علی رسول اللہ صلعم ودنا منہا فقالت اعوذ باللہ منک فقال صلعم لقد عذت بعظیم الحقی باہلک"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماء نے خدا سے پناہ مانگ کر گویا خود ہی علحدگی چاہی تھی۔ اور سورۂ بقر کی حسب ذیل آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی:۔

(لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن (کوئی حرج نہیں اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم نے طلاق دی)

اسی آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خلوت کے بعد طلاق دینے میں حرج ہے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اُس سے غالباً یہ امر واضح ہو گیا ہو گا کہ جناب سودہ حفصہ کی طلاق تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتی لیکن اسماء اور عمرہ کو آپ نے ضرور طلاق دی مگر خلوت سے قبل اور ایسے اسباب کی بنا پر کہ سوائے طلاق کے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اسلئے عبدالماجد دریابادی کا اپنے فعل طلاق کی توجیہ میں ان مثالوں کو پیش کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اب رہا یہ امر کہ نفس فعل طلاق کیا حیثیت رکھتا ہے سو اس کے متعلق کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جس طرح بعض صورتوں میں طلاق معصیت کی حد تک پہونچ جاتی ہے، اسی طرح بعض صورتوں میں وہ ضروری بھی ہو جاتی ہے بشرطیکہ اسباب نہایت قوی ہوں اور صرف مردانہ زبردستی سے کام نہ لیا جائے۔

یقیناً عبدالماجد دریابادی کا واقعۂ نکاح وطلاق دنیا یا دین کا کوئی ایسا اہم واقعہ یا مسئلہ نہ تھا کہ اسپر توجہ

لیکن چونکہ انھوں نے اپنے فعل طلاق کو ایسی رکیک تاویلوں سے درست و جائز ثابت کرنا چاہا ہے جس سے
صرف اخلاق اسلامی بلکہ خود ذات رسالتمآب پر نکتہ چینی کا موقعہ لوگوں کو ملتا ہے، اس لئے ضرور تھا کہ تمام
واقعات وحالات پر روشنی ڈالی جاتی اور دنیا کو بتایا جاتا کہ عبد الماجد کے اس فعل کو اباحت وجواز سے کوئی
تعلق نہیں ہے جو طلاق کے باب میں اسلام نے بتائی ہے اور عبد الماجد کا یہ فعل خود انھیں کی ذاتی اخلاق کا نتیجہ
تھا جسے تعلیمات نبوی سے کوئی واسطہ نہیں۔

شادی سے قبل جو تحریریں خاتون کے مانوف کرنے کے لئے انھوں نے روانہ کی ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص ایثار وصداقت کی ایسی مثالیں پیش کر سکے جیسی اس "بیتاب نکاح" کی طرف سے
ظاہر ہو رہی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی غیر اختیارانہ افتاد[1] مزاج کو بھی قابو میں رکھنے کا حتمی وعدہ کر لیتا ہے لیکن
جب ان تمام ترکیبوں سے وہ صرف اکیاون روپیہ کی ادائی نہیں بلکہ صرف وعدۂ ادائی سے مواصلت کا ارزاں
سودا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اسے خاتون کا اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا ان کی خط و کتابت
بھی ناگوار ہوتی ہے اور آخر کار طلاق دیکر بے مروتی و ناآشنائی، بیدردی و شقاوت کو اس حد تک پہونچا
دیتا ہے کہ غریب مطلقہ سے اس حقیر و ذلیل رقم کی رسید طلب کرتا ہے اور وہ بھی روپیہ ادا کرنے سے قبل!
ممکن ہے قرض دینے والے آغاؤں کے یہاں یہ دستور ہو، سود خور بقالوں اور مہاجنوں کے یہاں یہ قاعدہ جاری ہو،
حکومت برطانیہ کے دفاتر میں یہ طریق عمل نظر آتا ہو، لیکن شرع اسلام نے تو روپیہ کی ادائی سے قبل رسید کو
کبھی جائز قرار نہیں دیا۔ ممکن ہے یہ شخص اپنی اس حرکت کو بھی رسول اللہ یا صحابۂ کرام کی مقدس سیرتوں میں
ڈھونڈھ نکالے اور کوئی حدیث یا قول اس کے جواز میں پیش کر دے ——

ہم یہ نہیں کہتے کہ عبد الماجد کا فعل طلاق، محض طلاق ہونے کے لحاظ سے کوئی فعل مکروہ تھا۔ یقیناً انکو
طلاق دیدینی چاہئے تھی اگر اس کے اسباب موجود تھے، لیکن اس بیدردی و قطع مروت کے کیا معنی کہ نکاح
سے قبل کی تمام شیفتگیاں اور بیتابیاں دفعۃً "جھڑکیوں، بیزاریوں اور ایذا رسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں
اور بجائے اظہار مجبوری وندامت کے، نفس پرستانہ سرکشی کا اظہار ہونے لگتا ہے کیا تعلق نکاح قطع ہونے
کے بعد انسانیت واخلاق کا تعلق بھی محو ہو جاتا ہے، اور کیا ایک عورت دنیا میں صرف بیوی رہنے کے بعد ہی مرد کی
ہمدردی حاصل کر سکتی ہے، اور کیا اسلام نے یہی بتایا ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق دیدی جائے تو اس سے متنفر
ہو کر رہنا بھی ضروری ہے۔ (ملاحظہ ہو بقیہ ملاحظات صفحہ ۸۰ سے)

---

[1] نکاح سے قبل خاتون کے بھائی کو عبد الماجد ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میں غصہ ور بھی ہوں لیکن ان کے (یعنی خاتون کے) ساتھ نہیں کرونگا"

فلکیات کے بعض دلچسپ حقائق

مسلسل

عطارد ہر چند ہم یہ کہنے کے لئے تیار نہیں کہ عطارد میں کسی ذی حیات کا وجود محال ہے - لیکن بعض قوی وجود اس خیال کی تائید میں ضرور موجود ہیں کہ عطارد میں کسی جاندار شے کا وجود سمجھ میں نہیں آتا -

اول تو اس سیارہ کا مدار آفتاب سے اسقدر قریب ہے کہ اس کی سطح پر جو کچھ بھی مادہ حیات رہا ہوگا - وہ گرمی کی شدت سے جل کر بالکل فنا ہو گیا ہوگا،

پروفیسر ڈیوٹاڈ لکھتے ہیں کہ " عطارد کا رنگ بالکل چاند کی طرح زرد ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کی طرح وہ بھی غیر آباد ہے ——— مسٹر لوویل کے مشاہدات اور ان نقشوں سے جو انھوں نے سطح عطارد کے متعلق تیار کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عطارد کے خطوط بالکل بے رنگ ہیں - اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ اس سیارہ کی روزانہ گردش اور گردش فصلی ایک ہے - یعنی قمر کی طرح عطارد کا بھی صرف نصف حصہ ہمیشہ آفتاب کی شعاعوں کے سامنے رہتا ہے -

ایبے موریو کا خیال ہے کہ کرۂ عطارد کا جو نصف حصہ آفتاب کے سامنے رہتا ہے اس میں اتنی حرارت پائی جاتی ہے - کہ سیسہ اور رانگا منجمد حالت میں وہاں نہیں رہ سکتا - اگر یہ قول صحیح ہے تو ضرور ہے کہ عطارد کا اوسط ٹمپریچر کم از کم ۲۲۷ درجہ سنٹی ہوگا - کیونکہ سیسہ ہماری زمین پر اسی درجہ کی آنچ سے پگھلتا ہے - پھر چونکہ عطارد میں درجہ حرارت اتنا زیادہ ہے اس لئے ظاہر ہے کہ وہاں فاسفورس پوٹاسیم اور سوڈیم بھی نہ ہوں گے کیونکہ یہ تو اس سے بھی کم گرمی میں پگھل جاتے ہیں، اور یہی وہ عناصر ہیں جنھیں لوازم حیات سمجھا جاتا ہے - جھیلیں اور دریا تو درکنار ایسے سیارہ کی زمین میں رطوبت تک نہ ہوگی -

ڈاکٹر ایبٹ نے کافی تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ کرۂ عطارد کا ٹمپریچر ۴۵۰ فارنہیٹ ہے - اگر یہ صحیح ہے تو غور فرمایئے کہ ہماری زمین پر معمولی ہوا کے دباؤ میں ۲۱۲ درجہ فارنہیٹ (یا ۱۰۰ درجہ سنٹی) پر پانی اُبلنے لگتا ہے - اس لئے عطارد میں اور زیادہ کم درجہ پر اُبلیگا - لہذا تمام پانی جو اس کرہ کی سطح پر رکھا جائے وہ فوراً نہایت گرم بھاپ میں منتقل ہو جائے گا - اس لئے جہاں تک ہم کو شرائط حیات معلوم ہیں سطح عطارد پر کوئی جاندار چیز نہیں رہ سکتی -

لیکن گاریٹ پی سروس (Garett P. Serviss) کا خیال ہے کہ " ممکن ہے وہاں ایسے حالات موجود

ہوں جنھیں ہم نہ سمجھ سکتے ہوں اور گرمی کی شدت وہاں کے حالات کے لحاظ سے مناسب ہو۔"

مسٹر سی فنٹر ہیوٹامسن لکھتے ہیں کہ "یہ سمجھنا غلط نہیں کہ اگر قدرت نے ہماری زمین کے علاوہ دیگر سیارگان پر بھی ذوی الارواح پیدا کئے ہیں تو ان کی صورت شکل اور وضع قطع ایسی ہوگی جس کا ہم کو قطعی علم نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ مخلوق ایسی ہو جسے نہ نباتات میں داخل کیا جا سکے نہ حیوانات میں"

گزشتہ ربع صدی میں تمام ماہرین فلکیات کا یہی خیال تھا کہ سیارہ عطارد اپنے محور پر ایک ہی بار گردش کرتا ہے۔ اور ایک ہی بار آفتاب کے گرد گھومتا ہے۔ لیکن جبل ولسن رصدگاہ میں ایک "حرارتی جفت" (Thermo Couple) کے ذریعہ سے جس میں ایک "مقناطیسی برق پیما" (Galvanometer) بھی نصب کر دیا گیا تھا، جو حالات معلوم ہوئے ہیں، ان سے مندرجہ بالا نظریہ کی صحت میں کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان تجربوں سے معلوم ہوا ہے کہ کرۂ عطارد سے جو شعاع نور (Radiation) پیدا ہوتا ہے اس کی تحلیل طیفی (Spectral distribution) قریب قریب چاند کی طرح نظر آتی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ ان دونوں اجرام سماوی کا سطحی ٹمپریچر (اشعاع) تقریباً یکساں ہے۔ اسی کے ساتھ اس امر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ کرۂ عطارد کے تاریک حصہ کی طرف سے بھی حرارت و نور پیدا ہوتا ہے اور یہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ کرۂ عطارد کا زمانۂ تحویل (Rotation) بہت تھوڑا ہے

زہرہ زہرہ کے زمانۂ تحویل کے باب میں ماہرین فلکیات متفق نہیں ہیں۔ بعض کا یہ قول ہے کہ کرۂ زہرہ بھی کرۂ عطارد کی طرح اپنے محور پر آفتاب کے گرد گردش کرتے ہوئے گھومتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس ایک طرف ہمیشہ نور (دن) اور دوسری طرف ہمیشہ ظلمت (رات) رہتی ہے۔

اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت سیارۂ مذکور نرم اور لچک دار حالت میں تھا، اس وقت تمازت آفتاب کی شدت کے باعث اس میں زبردست مد و جزر واقع ہوتا تھا۔ جس سے بہت سی سطح ابھر گئی۔ اور بہت سی .... دب کر رہ گئی، پھر جب ابھری ہوئی سطح نے بطور "بریک" (Brake) کام کیا تو گردش میں سخت رگڑ پیدا ہوئی، جسکے باعث زہرہ کا زمانۂ تحویل رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ زہرہ کا کرۂ ہوائی زیادہ کثیف (Dense) ہے۔ اور جب کسی کرہ کا ایک ہی نصف حصہ ہمیشہ آفتاب کی طرف رہیگا تو گمان غالب ہے کہ ہوا زیادہ گرم شدہ نصف کرہ پر سے بیرونی سرد و تاریک نصف کرہ کی طرف چلے گی۔ اور اپنے ساتھ روشن نصف کرہ کا پانی اور رطوبت لے جا کر کرہ کی سمت تاریک میں برف کی طرح منجمد کر دے گی۔

زہرہ کا مشاہدہ کرتے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ قرص زہرہ کی غیر روشن سمت میں خفیف سی چمک دکھائی دیتی ہے جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ جمع شدہ برف کی چمک ہے۔ بعض اوقات زہرہ کے قطبین پر برف کے تودے بھی دیکھے گئے ہیں۔ اور دائرہ نور و ظلمت کے انحنا میں جو بے قاعدگی پائی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زہرہ کی سطح پر بڑے بڑے اونچے

پہاڑ بھی ہیں۔

ڈاکٹر لوویل اور ان کے رفقا نے رصدگاہ لوویل میں زہرہ کا مطالعہ کر کے وہاں وسیع منطقے مشاہدہ کئے ہیں لیکن بہت سے ماہرین فلکیات ان نشانات کو محض خیالی سمجھتے ہیں۔ البتہ ارصاد طیفی سے جو ثبوت حاصل ہوئے ہیں۔ ان سے اس خیال کی توثیق ہوتی ہے کہ زہرہ کا زمانۂ تحویل ۲۲۵ یوم ارضی ہے۔

مشہور و معروف اطالوی ماہر فلکیات ڈاکٹر جی۔ وی۔ شیاپریلی (G. V. Schiaparelli) نے اور جس نے کرۂ مریخ کی سطح پر "نہریں" معلوم کی تھیں۔ سب سے پہلے یہ بیان کیا کہ سیارۂ زہرہ کا ہمیشہ ایک ہی رخ آفتاب کے سامنے رہتا ہے۔ اسی وقت سے تمام ماہرین فلکیات اس مسئلہ پر مختلف رہے ہیں کہ اس کا زمانۂ تحویل طویل ہے یا قلیل سنہ ۱۹۲۱ء میں ڈاکٹر ڈبلو۔ ایچ پکرنگ ہارورڈ یونیورسٹی نے جزیرہ جمیکا کی صاف اور مستقل فضا میں، جو خط استوا کے قریب ہے، جب زہرہ کا مشاہدہ فرمایا تو انھوں نے ایک جدید اور حیرت انگیز توجیہہ پیش کی یعنی یہ کہ زہرہ کا زمانہ تحویل ۶۸ گھنٹہ ہے۔ اور اس کا محور تحویلی اس کے فلک کی سطح میں واقع ہے یعنی صرف چار یا پانچ درجہ کا زاویہ بناتا ہے۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو وہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہوگی۔ نہ گرمی ہوگی نہ سردی۔ اگرچہ قرب آفتاب کے باعث نظری طور پر اس کا اوسط ٹمپریچر ۱۵۰ درجہ فارنہیٹ بمقابلہ ۶۰ درجہ فارنہیٹ ہماری زمین کے ہوگا۔ لیکن چونکہ اس کا ہوائی لفافہ زیادہ کثیف ہے اس لئے کرۂ زہرہ تمازت آفتاب کی شدت سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اس طرح اس کا ٹمپریچر صرف ۶۸ درجہ فارنہیٹ رہ جاتا ہے۔

اگر زہرہ کا خط محور واقعی اس کے فلک کی سطح میں عمودی طور پر واقع ہوا ہے۔ تو ہماری زمین کے خلاف وہاں کے باشندے تغیرات فصلی سے واقف ہی نہ ہوں گے، سال بھر یکساں حالت رہتی ہوگی۔ اور ہر منطقہ کی آب و ہوا میں بلحاظ عرض البلد فرق ہوگا۔ اور اگر وہاں کا نظام معاشرت و مدنیت زمین جیسا ہوگا تو لوگ زیادہ تر قطبین کی طرف رہنا پسند کرتے ہوں گے کیونکہ باوجود کثافت ہوا بھی ممالک خط استوا میں رہنا غیر قابل برداشت ہوگا۔ اگرچہ عادی ہونے کے باعث ممکن ہے لوگ ان استوائی ممالک میں بھی رہتے ہوں۔

چونکہ کرۂ زہرہ کا ہوائی لفافہ بہت زیادہ کثیف ہے۔ اور وہاں زیادہ تر ابر چھایا رہتا ہے۔ اس لئے ہمارے لیے اس کی سطح کا مشاہدہ سخت دشوار ہو گیا ہے۔ اور اس کے زمانۂ تحویل کے متعلق کوئی خاص نظریہ قایم نہیں کیا جا سکتا۔

مسٹر سروس (Serviss) فرماتے ہیں کہ "اگر زہرہ اپنے چہرۂ زیبا سے تھوڑی دیر کے لئے وہ عجیب و غریب نقاب ہٹا دے جو ہر وقت اس کے روئے روشن پر پڑا رہتا ہے تو وہ تمام نظام شمسی کے اندر یقیناً سب سے زیادہ دلچسپ سیارہ نظر آئے۔"

ڈاکٹر سی جی ایبٹ کا خیال ہے کہ "بقائے حیات کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ سب زہرہ

میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس سیارہ کی زبردست انعکاسی قوت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ زیادہ تر پردہ سحاب میں روپوش رہتا ہے جس سے غالباً وہاں کا ٹمپریچر بالکل ہماری زمین جیسا ہوگا۔

چنانچہ ڈاکٹر ایبٹ بھی کہتے ہیں کہ اس سیارہ کی زبردست انعکاسی قوت جو ۶۰ فیصدی کے قریب ہے بادلوں کے وجود کے وجود کی متقاضی ہے، اور یہ بادل بجز پانی اور کسی مادہ کے بشکل ہو سکتے ہیں۔ اگر زہرہ کی تحویل کا زمانہ اس کی آفتاب کے گرد گردش کے زمانہ کی برابر ہوتا تو گرم طرف کا تمام پانی بھاپ بنکر اڑ جاتا۔ اور سرد جانب آجمتا۔ اور بایں صورت تمام چادر سحابی غائب ہو جاتی۔

بعض لوگوں نے مشاہدہ کرکے بیان کیا ہے کہ زہرہ کی بعض سطحی خصوصیات غائب ہو کر پھر ۲۳ گھنٹہ اور ۲۱ منٹ بعد نمایاں ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ٹی۔ جے۔ سی نے لکھا ہے کہ "بمقابلہ مریخ کے زہرہ میں آبادی کا امکان زیادہ ہے، کیونکہ زہرہ کا زمانۂ تحویل ۲۳ گھنٹہ ۲۱ منٹ ہے۔ اور تمام باتوں میں کرۂ ارض سے اسقدر مشابہ ہے گویا زہرہ و ارض دونوں توام بہنیں ہیں۔ زہرہ کے اندر ہوا، بادلوں، پانی، پہاڑوں، جھیلوں، سمندروں، اور دریاؤں کی کثرت ہے۔ موسم بھی قریب قریب ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے زمین پر، صرف اسقدر فرق ہے کہ وہاں کا ہر موسم چھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ زہرہ کا سال صرف ۲۲۵ دن کا ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایسے سیارہ میں کوئی ذیحیات نہ پائی جائے"

لیکن ڈاکٹر سینٹ جان نے آلۂ طیف پیما سے مشاہدہ کرکے یہ معلوم کیا ہے کہ "زہرہ کے گرد جو ہوا ہے اس میں آکسیجن ہی نہیں" بہرحال زہرہ کے متعلق اس وقت تک جتنی تحقیق ہو چکی ہے، اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی ذی حیات کا پایا جانا مستبعد نہیں ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ وہاں بھی انسان ہی کی طرح کوئی ذی شعور مخلوق پائی جاتی ہو، لیکن چونکہ زہرہ کے چاروں طرف ہوا اور بادل کی نہایت کثیف تہ موجود ہے اس لئے ہمارے آلات رصد ابھی تک سطح زہرہ کا کوئی صحیح حال معلوم نہیں کر سکے۔

مشتری | مشتری اپنے حجم و وزن کے لحاظ سے نہایت عظیم الشان سیارہ ہے یعنی اگر کسی ترازو کے ایک پلڑے میں مشتری کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں نظام شمسی کے اور تمام سیارے تو مشتری کا پلہ بھاری رہیگا۔

جس طرح ہماری زمین کے ساتھ ایک چاند ہے اسی طرح سیارۂ مشتری کے ساتھ نو چاند ہیں۔ ان میں سے چار چاند سنہ ۱۶۱۰ء میں گلیلیو (Galileo) نے دریافت کئے تھے۔ ان میں سے ایک چاند جسکا نام "گانیمڈ" ہے عطارد کے قطر سے ۶۰۰ میل بڑا قطر رکھتا ہے، دوسرا چاند "کالسٹو" عطارد کے برابر ہے۔

اس عظیم الشان کرہ کی طبعی حالت جسقدر ہم کو معلوم ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کسی جاندار چیز کا وجود نہیں پایا جا سکتا اس عظیم الشان سیارہ کا ٹمپریچر اسقدر زیادہ ہے کہ اس کی سطح پر باریک سا چھلکا یا ٹھوس خول بھی ابھی تک پیدا نہیں ہوا علاوہ

ازیں تحلیل طیفی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو مادی اشیاء اس کی بیرونی سطح پر پائی جاتی ہیں وہ ان اشیاء سے قطعی مختلف ہیں۔ جو ہم کو سطح ارض پر اب تک معلوم ہو سکی ہیں۔

ابھی یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ ہم مشتری کی اصلی سطح اب تک دیکھ سکے ہیں یا نہیں، کیونکہ اس کی سطح پر رنگین بادل بکثرت نظر آتے ہیں۔ جو ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا بڑے بڑے ذخار دریا بہہ رہے ہیں۔ یہ سحابی نطقے خود بھی کسی قدر بدلتے رہتے ہیں یعنی کبھی شمال کی طرف مایل ہو جاتے ہیں اور کبھی جنوب کی طرف۔ ان سحابی منطقوں کے کناروں پر اکثر سرخ رنگ روشنی دیکھی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نیچے جو مواد پایا جاتا ہے، وہ بالکل آگ کی طرح سرخ ہے۔

کرۂ مشتری کے منطقہ خط استوا میں طاقتور دوربینوں کے ذریعہ سے دیکھا گیا ہے کہ مختلف قسم کے دھبے اور عجیب و غریب دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے کرۂ ہوا میں چھوٹے چھوٹے مختلف الالوان دھبے نظر آتے ہیں۔ جو دھبے خط استوا پر ہیں ان کا زمانہ تحویل ۹ گھنٹہ ۵۰ منٹ اور جو دھبے زیادہ جنوب کی طرف واقع ہیں ان کا زمانہ تحویل ۹ گھنٹہ ۵۷ منٹ ہے۔ اگر سیارۂ مشتری کی سطح سخت ہوتی تو خط استوار پر حرکت زوا یا شمالی و جنوبی منطقوں کی حرکت سے زیادہ تیز نہ ہوتی۔

گذشتہ چالیس برس سے جرم مشتری پر جو سب سے زیادہ نمایاں داغ نظر آ رہا ہے اس کو عرف عام میں "داغ سُرخ کبیر" کہتے ہیں۔ Great Red Spot ایک انگریز ماہر فلکیات کا قول ہے کہ یہ کرۂ مشتری کا ایک چاند ہے جو ہنوز دور تکوین میں ہے۔ اس انگریز کا دعوےٰ ہے کہ یہ مادہ جسے ہم "سرخ داغ" کہتے ہیں، آہستہ آہستہ مشتری کی سطح سے پیچھے کی طرف ہٹ رہا ہے۔ اور ایک دن آئے گا جب یہ مشتری سے بالکل علیحدہ ہو کر اس کا دسواں چاند بن جائے گا۔ اس وقت تک جو ۹ چاند مشتری کے معلوم ہوئے ہیں، ان میں سے آٹھویں اور نویں چاند کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ اُلٹے چلتے ہیں یعنی بائیں سے داہنے یا مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں۔ حالانکہ خود مشتری کی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔

بعض کی رائے ہے کہ وہ "داغ سرخ" کوئی چاند نہیں ہے۔ بلکہ سطح مشتری پر ایک ٹھوس چھلکا بن رہا ہے۔ اگر یہ داغ آہستہ آہستہ مشتری کے گرد پیچھے کی طرف نہ ہٹتا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا کہ وہ کسی عظیم الشان کوہ آتش فشاں کا وسیع دہانہ ہے جو ۱۸۸۵ء میں تیس ہزار میل طویل اور آٹھ ہزار میل عریض تھا۔

۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۴ء تک یہ داغ قریب قریب غائب ہو گیا تھا۔ مگر ۱۹۰۸ء میں یہ بیضوی شکل میں نظر آنے لگا، رنگ البتہ سُرخ کے بجائے کسی قدر سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں یہ داغ قطعی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن ۱۹۱۰ء میں وہ کئی ہفتہ تک زیادہ نمایاں رہا۔ یہ داغ اب بھی نظر آتا ہے مگر بہت دھندلا ہے، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اب وہ رفتہ رفتہ سرد ہوتا جاتا ہے، اور جو گہرا سُرخ رنگ اس داغ کا ۱۸۷۶ء میں دیکھا گیا تھا۔ پھر نہیں دیکھا گیا

مشتری کی ہوا بہت کثیف اور گرم ہے، ڈاکٹر ای۔ سی۔ سلیفر کا قول ہے کہ " جسقدر معلومات ہم کو سیارۂ مشتری کے متعلق حاصل ہوئی ہیں وہ اس امر کی شاہد ہیں کہ مشتری کے اندر شدید ہیجان کا باعث سیارۂ مذکور کی سخت اندرونی حرارت

ہے، جس کا اثر اس کے کثیف لفافہ بخاراتی پر بھی پڑتا ہے۔

ــــ ڈاکٹر ڈبلو ڈبلو کیمبل (W. W. Campbell) مشتری کے "کرۂ ہوائی" کی نسبت لکھتے ہیں کہ "وہ ہنوز بالکل گرم ہے"

ہم لکھ چکے ہیں کہ سیارہ مشتری کے نو چاند ہیں منجملہ ان کے دو چاند سب سے بڑے ہیں۔ ایک کا نام "گانمیڈ" ہے۔ اس کا قطر ۳۵۵۸ میل یعنی سیارۂ عطارد کے قطر سے تقریباً ۶۰۰ میل زیادہ ہے۔ اس چاند کا مدار مشتری کے مرکز سے ۶۶۴۰۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور خود مشتری کا قطر ۸۰ ہزار میل ہے۔ چونکہ یہ قمر جرم مشتری سے بہت قریب واقع ہے، اس لئے وہاں مشتری سے بیحد حرارت پہونچتی ہوگی، لیکن نہ اتنی جتنی ہمارے چاند کو آفتاب سے پہونچتی رہتی ہے۔ کیونکہ مشتری کا یہ چاند بہ نسبت ہمارے چاند کے آفتاب سے بہت زیادہ دور واقع ہے۔

جہاں تک ٹمپریچر کا تعلق ہے گانمیڈ اور ایو دونوں چاند ہیں نہایت منظم آبادی ہونا چاہئے، لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ ان دونوں کی ہوا میں آکسیجن کی بھی کافی مقدار موجود ہے یا نہیں۔

زحل یہ خوبصورت حلقہ دار سیارہ بمقابلہ ہماری زمین کے آفتاب سے ساڑھے نو گنا دور ہے۔ اور اس کا حجم ہماری زمین سے ۶۲، گنا بڑا ہے۔ چونکہ یہ سیارہ آفتاب سے ۸۶۰۰۰۰۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لئے اس کی سطح تک سطح ارض کے مقابلہ میں نور و حرارت شمسی کا صرف ۱/۹۰ حصہ پہونچتا ہے۔ اگر جرم زحل تک صرف آفتاب ہی کی حرارت پہونچتی ہے تو اس کا ٹمپریچر درجۂ صفر سے ۳۳۰ درجہ فارنہیٹ نیچے ہوگا۔ جو یقیناً اس قدر کم ہے۔ اس میں کوئی ذی حیات چیز نہیں پائی جا سکتی۔ مشتری کی طرح زحل بھی ٹھوس جرم کی طرح حرکت نہیں کرتا، بلکہ اس کے اندر کے طبقات اندر ہی اندر تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ طبقات غیر مساوی سرعت کے ساتھ گردش کرتے ہیں اس لئے آپس کی رگڑ سے یقیناً زبردست حرارت پیدا ہو جاتی ہوگی۔ مشتری کی طرح یہ سیارہ بھی گداختہ بلکہ گیس کی سی حالت رکھتا ہے۔ اگر اس سیارہ کی ترکیب انھیں اجزاء سے ہوئی ہے جو کرۂ ارض کے ہیں (اور بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو) تو پھر اس کی سطح پر کوئی سخت چھلکا نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف گیسوں کے طبقات ہوں گے، جو بوجہ عمق بہت زیادہ کثیف بن گئے ہوں گے۔ اور مرکز کے قریب بدرجۂ غایت تاریک ہوں گے۔

ٹاڈ کا خیال ہے کہ:۔ "زحل کا طیف بھی بالکل مشتری جیسا ہے، اور معلوم ہوتا ہے۔ زحل کے جرم میں بعض ایسے عناصر گیس موجود ہیں جو ابھی تک زمین یا آفتاب میں دریافت نہیں ہوئے"

ــــ سیارۂ زحل کے دس چاند ہیں جن میں ایک (یاپیٹوس) کا قطر ۲۰۰۰ میل ہے اور دوسرا چاند (ٹائیٹان) سیارۂ عطارد کے برابر ہے۔ چونکہ یاپیٹوس سیارۂ زحل سے ۲۲۲۱۰۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس لئے اسے زحل سے کافی حرارت نصیب نہیں ہوتی لیکن چونکہ اسکا کرۂ ہوا نہایت ہی لطیف اور سبک ہے اسلیے اس بات کا قوی گمان ہے کہ اسکی سطح پر اعلیٰ طبقہ کے نشو و نما یافتہ جاندار موجود ہوں گے۔

دوسرے چاند (ٹائیٹان) کی حالت دوسری ہے، اور بہ نسبت ہماری زمین کے اس میں زیادہ ادنیٰ قسم کے جاندار پائے جانے کا امکان ہے۔

یورانوس و نیچون

ان دونوں سیاروں کو آفتاب سے نسبتاً بہت کم حرارت و روشنی پہونچتی ہے۔ یعنے یورانوس کو بمقابلہ زمین کے $\frac{1}{368}$ حصہ نور و حرارت کا پہونچتا ہے۔ نیچون کو صرف $\frac{1}{900}$ اس لئے نیچون میں دوپہر کو صرف اتنی روشنی ہوتی ہوگی، جتنی زمین پر شام کے وقت ہوتی ہے۔ اور یورانوس میں اس سے کچھ زائد۔ یورانوس کا ٹمپریچر (۳۸۰) درجہ اور نیچون کا ٹمپریچر (۴۰۰) درجہ بتایا جاتا ہے۔ اس لئے وہاں سردی اتنی شدید ہوگی۔ کہ اگر ہماری زمین کی ہوا کسی صورت سے نیچون تک پہونچادی جائے تو فوراً منجمد ہوکر ایک "ٹھوس" چیز کی حیثیت اختیار کرلے گی۔

بعض کا خیال بالکل اس کے برعکس ہے وہ کہتے ہیں کہ یورانوس جو کرۂ ارض سے ۶۱ گنا اور نیچون جو زمین سے ۸۵ گنا بڑا ہے۔ دونوں سخت گرم سیارے ہیں۔ اور گیس کی صورت رکھتے ہیں۔

دوربین کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یورانوس بہت دور واقع ہے یہاں تک کہ اس کے ہلکے سبز رنگ کی سطح پر جو نشانات ہیں وہ اچھی طرح دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن بعض ماہرین فلکیات نے یورانوس میں مشتری جیسے طبقات بھی دیکھے ہیں

تقریباً پندرہ سال گزرے اس امر کا اعلان ہوا تھا کہ آلہ طیف پیمایا موشور کے ذریعہ سے یورانوس اور نیچون میں "کلوروفائل" (Cholorophyll) (وہ چیز جس سے نباتات میں سبز رنگ پیدا ہوتا ہے) کا وجود پایا جاتا ہے۔ اور یورانوس اور نیچون میں ویسے ہی حلقے نظر آتے ہیں جیسے کلوروفائل کے محلول سے شعاعیں گزرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ کلوروفائل کوئی عنصر نہیں بلکہ نائٹروجن کا ایک نہایت ہی پیچیدہ مرکب ہے جو پودوں کے بعض خلایا میں پایا جاتا ہے اس لئے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مرکب یورانوس اور نیچون کے ہوائی طبقات کے اندر کیونکر آگیا۔

مسٹر گاریٹ پی سروس کہتے ہیں کہ جو سیارے گیسی حالت میں ہوتے ہیں، وہاں کی مخلوقات بھی ویسی ہی گیس کی قسم کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ لوگ جو اشیاء کو دنیوی اوزان اور پیمانوں کے معیار سے جانچنے کے عادی ہیں، یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ایک گیسی صورت حیات کیا ہوسکتی ہے، لیکن مخلوقات کا تنوع ایک ایسی ہدایت ہے کہ اُس کے تسلیم کرنے میں کسی دلیل کی جستجو کرنا بیکار ہے۔

مریخ

۲۳ر اگست ۱۹۲۴ء کو مریخ کرۂ ارض سے بقدر ۰۰۰۰۰ ۷، میل قریب آگیا تھا۔ اور یہ قرب اتنا تھا کہ گزشتہ ایک سو بیس سال میں نہ ہوا تھا۔ اور نہ آئندہ ایک سو سال تک اس کا امکان ہے۔ اس تاریخ کی شام کو مریخ زمین سے صرف ۰۰۰۰۰ ۳۴۵ میل کے فاصلہ پر تھا۔

جب زمین اور مریخ اس طرح واقع ہوں کہ اگر آفتاب سے ایک خط مستقیم مریخ تک کھینچا جائے تو کرۂ ارض سے ہوتا ہوا گذرے تو اس وقت اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ ان تینوں کا "قِران" ہوگیا ہے۔ لیکن چونکہ مریخ کا مدار بہت ہٹا ہوا ہے

اس لئے وہ زمین سے قریب تر آجانے کے باوجود بہت دور رہتا ہے۔ مثلاً اگر کرۂ ارض کا فاصلہ آفتاب سے اوج شمسی کے وقت صرف ۳۰۰۰۰۰۰ میل ہوتا ہے، تو مریخ اسی نقطہ پر ۲۶۰۰۰۰۰۰ میل دور ہوتا ہے۔

فروری یا مارچ کے مہینے میں جب آفتاب مریخ اور زمین تینوں ایک خط میں ہوتے ہیں تو اس وقت مریخ اور زمین کے درمیان تقریباً ۶۱۰۰۰۰۰۰ میل کا فاصلہ ہوتا ہے، اور اگر یہی صورت اگست یا ستمبر میں واقع ہو تو فاصلہ کم ہو کر ۲۵۵۰۰۰۰۰ میل رہ جاتا ہے۔ الغرض ایسے تمام قرانوں کا بُعد اوسط ۴۸۶۰۰۰۰۰ میل ہوتا ہے

دوربین کے ذریعہ سے مریخ کا قطر اقتران کے وقت ۲۵ انچ نظر آتا ہے۔ مگر اسکا انحصار دوربین کی طاقت پر ہے، کیونکہ اگر دوربین بہت قوی ہو تو مریخ، ہمارے چاند کے برابر نظر آسکتا ہے۔

پروفیسر پکرنگ نے کافی مشاہدہ کرنے کے بعد یقین کرلیا ہے کہ کرۂ مریخ میں جاندار مخلوق ضرور موجود ہیں، علاوہ ازیں ماہرین فلکیات نے رصدگاہ لوول سے معلوم کیا ہے کہ وہاں نہروں کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مریخ میں نباتات کا ہونا لازم ہے۔

رہا یہ امر کہ مریخ میں جاندار مخلوق ہیں یا نہیں اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی جگہ نباتات کا وجود ثابت ہو جائے تو ادنےٰ درجہ کے حیوانات تو یقیناً پائے جائیں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ مریخ میں حیوانات کا وجود یقیناً ہوگا۔

۱۶۵۹ء میں ماہر فلکیات کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ کرۂ مریخ کی سطح پر خاص قسم کے داغ دھبے موجود ہیں، لیکن ۱۸۳۰ء میں سب سے پہلے مریخ کا نقشہ مشہور جرمن ہیئت داں جے۔ ایچ۔ فان ماڈلر نے کھینچا۔ اس کے بعد ۱۸۷۷ء میں ایک اطالوی ہیئت داں جی۔ وی۔ شیاپریلی نے ان دھبوں کو معلوم کیا جنھیں "سلسلہ انہار" کہتے ہیں۔ ۱۸۸۱ء میں اسی شخص نے اعلان کیا کہ بعض اوقات یہ نہریں بہت بڑی ہو جاتی ہیں۔ اور اس زمانہ سے ان نہروں کا خاص طور پر مطالعہ ہونے لگا۔

سر ولیم ہرشیل نے معلوم کیا کہ مریخ کے قطبین پر برف کے تودے ہیں۔ اور جب کبھی ان تودوں میں سے کوئی کم ہوتا ہے تو سطح مریخ پر عجیب قسم کے نشانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور باریک خطوط کا ایک جال سا پیدا ہو جاتا ہے۔

مریخ کا مدار بیضاوی شکل کا ہے اس کا قطر ۴۲۱۵ میل ہے، اس کا حجم زمین سے $\frac{1}{7}$ ہے۔ اور اس کی سطحی رقبہ زمین کا $\frac{2}{7}$ ہے۔ اور اس کی کثافت $\frac{7}{10}$ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریخ میں بمقابلہ زمین کے کشش ثقل کی نسبت $\frac{38}{100}$ ہوگی یعنی جو چیز زمین پر سو پونڈ وزن رکھتی ہے وہ مریخ پر ۳۸ پونڈ ہوگی۔

مریخ کے خط استوار کا جھکاؤ اپنے مدار کی طرف تقریباً ۲۴ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے۔ اس لئے کرۂ مریخ پر موسم بھی کرۂ ارض کی ہی طرح بدلتے ہوں گے اس کی رفتار تحویلی بھی قریب قریب اتنی ہی ہے جتنی کہ کرۂ ارض کی یعنی ۲۴ گھنٹہ ۳۷ منٹ ۲۲٫۶۷ سکنڈ۔ مریخ اپنے فلک پر سورج کے گرد بہ حساب ۱۴٫۹۸ میل فی سکنڈ ۶۸۶٫۹۷ دن میں گردش کرتا ہے۔

آفتاب کے گرد مریخ کی گردش کا زمانہ ایک سال ساڑھے دس مہینہ ہوتا ہے۔ یہ گویا مریخ کا "ایک سال" ہے۔ اور زمین ہی کیطرح وہاں بھی بہار، گرما، خزاں اور سرما ہوتے ہیں۔ مگر ہر فصل کی مدت تقریباً دگنی ہوتی ہے۔ جب زمین پر جون کا مہینہ ہوتا ہے تو مریخ پر خزاں ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ۴ جون کو مریخ پر پہلی برف پڑی تھی

جس طرح زمین کے شمالی و جنوبی حصوں میں تفریق موسم ہوتی ہے۔ اسی طرح کرۂ مریخ میں بھی ہے۔ مریخ میں فصل بہار ۱۹۹ دن، گرما ۱۸۳ دن، خزاں ۱۴۷ اور سردی ۱۵۸ دن ہوتی ہے۔

مریخ کے درجۂ حرارت کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ ۴۰ درجہ ہے اور بعض نے ۶۰ درجہ اندازہ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اقوال محض ریاضیات فلکی کے بعض اصول کی بنا پر ہیں، صحیح علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکا۔ چنانچہ پکرنگ کا قول ہے کہ :- مریخ کا اوسط ٹمپریچر ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن وہ ۳۲ درجہ سے یقیناً کم ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے۔ کہ ۲۰ درجہ ہو۔ کیونکہ مریخ کے استوا پر دوپہر کے وقت کبھی برف نظر نہیں آتی، لیکن جب مریخ نقطۃ الذنب کی طرف ہوتا ہے تو طلوع آفتاب کے بعد استوا پر برف نمودار ہو جاتی ہے، نیز سہ پہر کے وقت منطقہ حارہ میں کہر اور دھند بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں بوقت شب ٹمپریچر ۳۲ درجہ سے کم ہو جاتا ہوگا۔ اور دوپہر کے وقت غالباً ۶۰ یا ۷۰ درجہ تک پہونچ جاتا ہوگا۔

کرۂ مریخ میں ایسا کوئی کرۂ ہوا نہیں ہے۔ جیسا زمین کے گرد پایا جاتا ہے۔ نہ وہاں دوپہر کے وقت ابر ہوتا ہے، نہ ٹھنڈے سمندر ہوتے ہیں، صرف قطبین پر کسی قدر برف ہوتی ہے۔ مریخ کی سطح کا مقابلہ کرۂ ارض کے ریگستانی علاقوں سے کسی قدر ہو سکتا ہے۔

الغرض دوربین کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ میں اس کے قطبین کے قریب دو سفید داغ پائے جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسی قسم کے سفید داغ اس کی سطح کے اور حصوں پر بھی نظر آتے ہیں، چنانچہ ۹ جولائی سنہ ۱۹۲۲ء کی شب کو تین لاکھ مربع میل کی وسعت کا ایک بہت بڑا سفید دھبہ یکایک نمایاں ہو گیا تھا۔ قطبین کے گرد جو سفید دھبے نظر آتے ہیں۔ وہ قطر میں ۱۲ ہزار میل سے زیادہ نہیں ہوتے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ برف کے تودے ہیں۔ لیکن ۹ جولائی کی شب کو جو سفید دھبہ یکایک نمایاں ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کرۂ ہوا میں منجمد ہو جانے والے بادل تھے۔

یہ ابر مریخ کے باشندہ کو تو سیاہ نظر آتا ہوگا۔ مگر ہم کو آفتاب کی شعاعوں کی وجہ سے سفید دکھائی دیتا ہے۔ اور اس لئے سطح مریخ پر اس قسم کے سفید دھبے نظر آنے کے معنے یہ ہیں کہ وہاں سخت گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ اور طوفان ابر و باراں برپا ہے۔ اس قسم کا ایک حادثہ مریخ میں ۹ مئی سنہ ۱۹۲۰ء کو پلکاف کی رصدگاہ میں دیکھا گیا تھا۔ اس کے متعلق پروفیسر کاشنکاف کا بیان ہے کہ یہ چادر ابر اسقدر وسیع تھی کہ سطح مریخ پر جو نشانات عموماً نظر آیا کرتے ہیں وہ سب پوشیدہ ہو گئے تھے۔

اڈگر لوسین لارکن کو یقین نہیں ہے کہ کرۂ مریخ پر کوئی "سلسلۂ انہار" ہے۔ مگر انھوں نے ۱۷ جون سنہ ۱۹۲۲ء کو سطح مریخ

پر بھورے رنگ کے جدید داغ دیکھے تھے - اور یہ امریکہ کے رقبہ کے برابر وسیع تھے - ان کو مریخ کا ریگستانی حصّہ سمجھا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سطح مریخ پر سفید داغ عموماً اس زمانہ میں نمودار ہوتے ہیں جبکہ وہاں موسم گرما ہوتا ہے، یعنی جب قطبین کی برف پگھل کر بہت کم ہو جاتی ہے - اور ہوا میں رطوبت پیدا ہو جاتی ہے۔

جب شمالی نصف کرہ میں گرمی ہوتی ہے تو شمالی تودۂ برف غائب ہو جاتا ہے - اور جنوبی تودہ رفتہ رفتہ بڑھنے لگتا ہے - شمالی دھبہ ۲۱ ہزار میل قطر کے رقبہ سے موسم گرما میں کم ہو کر ۲۰۰ میل قطر کا رہ جاتا ہے - لیکن جنوبی داغ بعض اوقات بالکل محو ہو جاتا ہے - اور جاڑوں میں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔

تقریباً نصف صدی قبل یہ کہا جاتا تھا کہ کرۂ مریخ میں کوئی طبقہ ہوا نہیں ہے اگر ہے بھی تو وہ بہت ہلکا ہے - اور اس میں بخارات آبی مطلق نہیں ہیں - اس لئے قطبین پر برف ہرگز جم نہیں سکتی - مگر جو واقعات ہم بیان کر چکے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے - کہ مریخ کے متعلق کرۂ ہوائی ضرور ہے - اور اس میں رطوبت بھی کافی ہے جس سے برف اور باراں بن سکتے ہیں -

بعض کا قول یہ بھی ہے کہ مریخ کے قطبین پر جو سفید داغ نظر آتے ہیں وہ منجمد شدہ کاربن ڈائکسائڈ ہے - مگر پروفیسر پکرنگ کہتے ہیں :- جب قطبین پر تودے بنتے ہیں تو وہ گرد و نواح کی سطح سے ممتاز نظر آتے ہیں - یہ بھی صحیح طور پر معلوم ہے کہ یہ داغ کب محو ہونے لگتے ہیں - اور چند ہفتہ بعد ایک سیاہ خط نصف النہار سے شروع ہو کر مغربی افق کے سرے تک زیادہ زیادہ نمایاں ہونے لگتا ہے - اور پھر چند ہفتہ بعد وہ خط وسیع ہوتے ہوتے افق مشرق تک پہونچ جاتا ہے اور اس طرح وہ اس قطبی تودہ کو کرۂ کے دوسرے حصّوں سے قطعی علیٰحدہ کر دیتا ہے - بعد ازاں وہ خط کئی سو میل چوڑا ہو جاتا ہے - اور جوں جوں برفانی داغ محو ہوتا جاتا ہے - یہ خط بھی پیچھے ہٹ کر اس سے ملتا جاتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سطح میں سیاہ خلیجیں بننے لگتی ہیں جن میں سے زرد رنگ کے بادل اٹھتے دکھائی دیتے ہیں اور جب وہ تودہ گھٹنے لگتا ہے تو اس کے حدود میں ایک سیاہ رقبہ نمایاں ہو جاتا ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سیاہ رقبہ برف کے گھلنے سے پیدا ہوتا ہے - اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح چار ملی میٹر سے کم دباؤ میں پانی قائم نہیں رہتا - اسی طرح کاربن ڈائکسائڈ بھی پانچ ملی میٹر سے کم دباؤ میں قائم نہیں رہ سکتی - اس لئے یہ سفید تودے کاربن ڈائکسائڈ کے نہیں بلکہ برف کے ہیں - علاوہ ازیں مسٹر اسلیفر کا بیان ہے کہ مریخ کے سحابی رقبے بھی اسی مادہ کے بنے ہوئے ہیں جس کے ہماری زمین کے بادل بنتے ہیں۔

الغرض شہادتیں اسقدر ضرورت سے زیادہ ہیں کہ ہم کو مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے کہ مریخ میں بخارات آبی ضرور موجود ہیں - اور جن ارصادات طیفی سے یہ ثابت ہوا کہ مریخ پر بخارات آبی کا وجود ہے انھیں سے یہ بھی ثابت ہوا - کہ وہاں آکسیجن بھی ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے - کہ اگست سنہ ۱۹۲۲ء میں لاک اینجلیز سے سو میل کے فاصلہ پر ایک برفانی دریا کی سطح پر مٹی کی تہ پائی گئی تھی جس پر کچھ سبز ے اُگ آئے تھے - اور اس کے نیچے برف تھی - اسی طرح جب مریخ میں قطبین کی برف

پگھلتی ہے تو وہ دھاریاں جنھیں "نہریں" کہتے ہیں نمودار ہونے لگتی ہیں اور رفتہ رفتہ سیاہ خطوط کا ایک جال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خطوط چھوٹے چھوٹے سیاہ داغوں سے جا کر ملتے ہیں جنھیں "نخلستان" کہتے ہیں۔ یہ نخلستان وسعت میں بڑے چھوٹے ہوتے ہیں جنکا اوسط قطر ۱۳۰ میل ہوتا ہے۔ ان میں بہت ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے جھیلیں اور اُن سے نہریں چاروں طرف اس طرح نکلتی ہیں جیسے پہیہ کے وسط میں سے آرے۔ اگر کوئی داغ بڑا ہوتا ہے تو اس میں سے سات نہریں نکلتی ہیں۔ ان میں ایک دھبہ بہت بڑا ہے جسے "سورج کی جھیل" کہتے ہیں۔ اس کا قطر ۳۰۰ میل ہے۔ اور طول ۵۴۰ میل۔ اس میں سے دو ہری نہریں نکلتی ہیں۔ جنکا طول اوسطاً کم ہے۔ سب سے بڑی نہر ان میں ۳۵۰۰ میل ہے۔ ان نہروں کی اوسط چوڑائی ۳۰ میل ہے۔ اب تک ۲۰۰ نہروں سے زیادہ دیکھی جا چکی ہیں۔ جن کے نقشے کھینچ کر نام بھی رکھدیے گئے ہیں۔

مشاہدات دوربینی اور فوٹو گرافی دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نہریں ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک باقاعدہ جاتی ہیں۔ ہر زاویہ پر ان نہروں کا پورا تقاطع ہوتا ہے۔ اور کئی نہریں ایک ہی مرکز پر آکر مل جاتی ہیں کسی جگہ دو نہریں ایک دوسرے کو قطع کر کے سیدھی چلی جاتی ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ جس مقام پر پہلے ایک نہر دکھائی دیتی تھی رات بھر میں اسی مقام پر دوسری نہر نمودار ہو گئی۔ اور یہ دونوں نہریں متوازی بہتی رہیں۔ ان توام نہروں کا درمیانی فاصلہ عموماً ۱۵۰ یا ۲۰۰ میل ہوتا ہے۔ بعض توام نہروں کے فوٹو بھی لئے جا چکے ہیں۔

ان نہروں اور نخلستانوں کی تشریح پروفیسر پکرنگ اور لوویل نے اس طرح کی ہے کہ چونکہ مریخ میں پانی کم ہے اس لئے قطبین کی پگھلنے والی برف سے مخرج کا کام لیا جاتا ہے۔ اور وہاں سے پانی پیدا ہو کر تنگ نہروں کے ذریعہ سے چاروں طرف تقسیم کیا جاتا ہے۔ ماہرین فلکیات کو جو خطوط نظر آتے ہیں وہ نہریں نہیں بلکہ نباتاتی منطقے ہیں جو بہار کی آمد پر نمایاں ہو جاتے ہیں اور موسم سرما میں غائب ہو جاتے ہیں۔

یہی توجیہ نخلستانوں کی کی گئی ہے۔ " اس واقعہ سے مندرجہ بالا دلیل کو اور بھی زیادہ تقویت ہوتی ہے کہ نخلستان صرف نہروں کے سنگم پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس نظریہ کا تسلیم کر لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ کرۂ مریخ میں قرنہا قرن سے ایسی مخلوق آباد ہے جو نہایت عقیل و فہیم ہے اور پانی کی قدرتی کمی کو انھوں نے آبپاشی کے وسیع کاموں سے پورا کیا ہے

مگر بعض دیگر ہیئت دانوں کا خیال یہ ہے کہ جب مریخ میں موسم گرما ہوتا ہے تو وہاں رات کے وقت بارش ہوتی ہے جس کے باعث سبزہ نمودار ہو جاتا ہے۔ پہلے ان سیاہ رقبوں کو سمندر خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب امر یقینی یہ ہے کہ یہ طبقات موسم کیساتھ اپنا رنگ بدلتے ہیں۔ موسم سرما میں رنگ غائب ہو جاتا ہے اور بہار میں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ موسمی تغیر نہروں کی وجہ سے نہیں بلکہ رات کے وقت بارش کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ وسیع رقبے جو زردسے سیاہی مائل بھورے ہو جاتے ہیں۔ وہ دلدلیں ہیں۔ جن کے رنگ میں پانی کے عمق کی وجہ سے فرق پڑتا ہے۔

ایک انگریز محقق ریجنالڈ اس بات کا یقین نہیں کرتا کہ سطح مریخ پر جو نظام انہار ہے وہ مصنوعی نہیں یعنی انجینیروں کا بنایا ہوا نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ ممکن ہے بمقابلہ زمین کے مریخ میں تبخیر کم ہوتی ہو، اس لئے وہاں بڑے بڑے تالاب ہوں گے جن میں برف پگھلنے کے بعد پانی بھرجاتا ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ مریخ کی نہریں مسقف ہوں تاکہ پانی سوکھ نہ جائے۔

مسٹر مارکونی نے حال ہی میں جو لاسلکی امواج کے منتقل کرنے کا آلہ ایجاد کیا ہے۔ اس سے ممکن ہے کہ کسی وقت ہم لاسلکی پیام مریخ یا زہرہ تک براہ راست پہونچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ مارکونی کا بیان ہے کہ وہ یقیناً دوسری دنیاؤں سے نامہ وپیام کا سلسلہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے بشرطیکہ وہاں ایسے لوگ آباد ہوں جو ہمارا پیغام سمجھ سکیں۔ اگر وہ ہمارا پیغام سن سکیں گے تو یقیناً وہ جواب بھی دے سکیں گے،،

مشہور موجد اڈیسن کی یہ رائے ہے کہ غالباً اور سیاروں کے باشندے اب بھی اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہم سے بات چیت کریں ان کی پیشین گوئی ہے کہ آیندہ چند سال کے عرصہ میں مختلف سیاروں کے درمیان لاسلکی طریقہ پیغام رسانی قائم ہو جائے گا۔ امریکن سائنسداں میک آئی کہتا ہے کہ مجھے کامل یقین ہے کہ مریخ میں آبادی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اسے بہت جلد ثابت کیا جاسکے گا۔

نیاز

کاجل سرمہ چورن منجن

(اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کرکے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے) **دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو:-** سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لئے بہت مفید ہوا۔ ایک شیشی اور بھیجدیجئے (سید رضا، زیر سو منتھ۔ یوت محل)

کاجل۔ آشوب، سرخی، ضعف بصارت کے لئے ازبس مفید ہے ایک ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ عہ (علاوہ محصول)

سرمہ۔ یہ بیش بہا سرمہ ۴۰ دن میں جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیس کر تیار کیا جاتا ہے۔ جالا۔ دھند۔ موتیابند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے۔ قیمت فی پڑیا عہ علاوہ محصول

چورن۔ یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے پیٹ کا درد۔ قبض۔ نفخ ریاح کا پیدا ہونا، سوء ہضم دستوں کا آنا۔ یک لخت اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۸ تولہ (عہ) علاوہ محصول

منجن۔ اس کی ادنے خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں۔ قیمت فی ڈبیہ ۸ تولہ (عہ) علاوہ محصول

نوٹ:- سب چیزیں منگانے والوں کو محصول ڈاک معاف۔

م بیگم۔ ذریعہ دفتر نگار لکھنو

روح کا انتقال مکان

۳۸ پائنیر رجمنٹ کے تین کمیشن یافتہ ہندوستانی مسلمان چائے کے بعد آپس میں بیٹھے ہوئے۔ مولانا نیاز کے اجتہادی مضامین پر گفتگو کر رہے تھے کہ کیپٹن قدوائی کہنے لگے۔ "ناجی و ناری کی بحث تو مولانا عبد الماجد عرف مسیح الملت و مولانا سلیمان ندوی عرف معارف الملت کے لئے چھوڑیئے، آج ایک نیا دلچسپ قصہ سنیئے۔ میں بہت متحیر ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہے اگر روحانیت ایسی ہی مکمل چیز ہے تو غالباً وہ دن دور نہیں۔ جب کسی اور قوت کی ضرورت ہی دنیا کو باقی نہ رہے گی کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں روحانیین کا کوئی شاہ کار موجود نہ ہو!

کیپٹن فاروقی۔ وہ قصہ کیا ہے اور کہاں سنا؟

قدوائی۔ سنا کہاں آج میں جب میس سے نکل رہا تھا دیکھا کوئی وسیط آیا ہوا ہے جو لوگوں کے مردہ اعزہ کے حالات سناتا ہے مجکو بھی فطرتاً اشتیاق ہوا میں نے ملازم سے کہا کہ تم اس بازیگر سے کہنا کہ وہ میرے کمرہ میں آوے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجکو اوس کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے اندر بلا لیا۔ ایک خوبصورت لڑکی اور ایک ضعیف العمر پٹھان کمرے میں داخل ہوئے اور بہت سے صداقت نامے اپنے کمال کے ثبوت میں پیش کئے میں نے کہا۔ خاں صاحب۔ مجکو بھی کچھ حالات سنائیے۔

خانصاحب کے چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور کچھ نقاہت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے برف منگایا۔ اور دونوں کو پلایا کچھ پھل وغیرہ میں نے اوس خوبصورت لڑکی مریم کو دئے لیکن معلوم ہوا کہ وسیط کوئی چیز کھا نہیں سکتی میں خاموش ہو گیا۔

خاں صاحب نے میرے ملازم اسمٰعیل کو بلایا۔ اور حکم دیا کہ تم اس لڑکی کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔ اوس کے بعد چراغ جلایا۔ اور ایک خاص موثر نغمہ بلند کیا جسے میں مطلقاً نہ سمجھ سکا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے معلوم ہونے لگا کہ گویا میرا کمرہ متحرک ہے۔ اور کھونٹیوں سے میرے کپڑے گرنا شروع ہو گئے۔ دروازہ کے کواڑ خود بخود بند ہو گئے۔ کمرے میں کسی حد تک تاریکی چھا گئی میرا قلمدان جو میز پر رکھا تھا وہ بلند ہوا۔ اور معلق ہو گیا۔ مجکو یہ ڈر تھا کہ کہیں میرے کپڑے روشنائی سے خراب نہ ہو جائیں۔ میں ہٹنا چاہتا تھا لیکن خاں صاحب نے اشارہ سے مجکو منع کیا۔ میں خدا معلوم کیوں سہم گیا۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہونے لگا کہ ایک رنگین روشنی بالکل ایسی جو شعاعوں سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہوئی اور رقص کرتی ہوئی نظر آنے لگی میں نے

یہ سمجھ کر کہ شاید میری نظر کو دہوکہ ہو رہا ہے۔ اسمٰعیل سے دریافت کیا۔ "تم کیا دیکھتے ہو۔"

جواب دیا۔ "سرکار روشنی ناچ رہی ہے"

میں خاموش ہو گیا۔ اوس کے بعد میں نے دیکھا ایک روح اسی شکل میں نمودار ہوئی جس کو میں نے شط العرب کے معرکہ میں دیکھا تھا۔ میں اوس ترکی کیپٹن کو دیکھ کر سہم گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ "میں بہت مصیبت میں مبتلا ہوں تم میرے دوست تھے تم نے باوجود دشمن ہونے کے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ میری اولاد اس وقت انقرہ میں بہت پریشان حال ہے تم اوس کی کسی طرح امداد اگر کر سکتے ہو تو انکار نہ کرو۔ ورنہ وہ عنقریب عیسائی یا یہودی ہو جائیں گے۔ ایک انگریز میری بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آئندہ موسم بہار میں غالباً یہ شادی یافہ میں ہو جائے گی۔ مجکو شادی سے اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اپنی اولاد کو عیسائی دیکھنا پسند نہیں کرتا ہوں۔ تم اگر لفٹننٹ مصطفےٰ آفندی کو لکھو گے تو یہ معاملہ آسانی سے طے ہو جائے گا۔"

یہ کہکر وہ شکل محو ہو گئی۔ اس کے بعد میرے والد مرحوم کی شکل نظر آئی۔ . . . .

"میں آج کل بہت پریشان ہوں تم نے آج تک باوجود صاحب ثروت ہونے کے میری خدمت نہ کی۔ میں نے جو قرض لیا تھا وہ آجتک ادا نہ ہوا۔ تم دریافت کر کے یہ رقم ادا کر دو"

یہ شکل بھی محو ہو گئی اب دیکھتا ہوں کہ میری میز پر بصرہ کی بنی ہوئی خوبصورت ہاتھی دانت کی مچھلی رکھی ہوئی تھی۔ یہ میرے ایک خانگی معاملہ کی یادگار تھی، میں نے بصرہ میں ایک ایرانی خاندان میں شادی کی تھی، آہ آج سلمہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ سلمہ نے یہ مچھلی مجکو قصر شیریں سے لاکر تحفتاً پیش کی تھی۔ میں اسی احترام و خلوص کی قدر کرتے ہوئے اس مچھلی کو ہمیشہ اپنی میز پر رکھتا ہوں۔ اور خود اپنے ہاتھ سے اوس کو صاف کرتا ہوں۔ اور ایک بڑی حد تک اپنی مرحوم رفیقۂ حیات کی یاد کو تازہ کر لیا کرتا ہوں۔ قصہ مختصر دیکھتا ہوں کہ وہ مچھلی بلند ہونا شروع ہوئی۔ اور حقیقتاً ہوا میں پرواز کرنے لگی۔ اور دفعتاً مجکو معلوم ہوا کہ میرے قلمدان کے پاس جو ہوا میں معلق تھا۔ . . . . جا گری اور ایک پنسل نہ معلوم کس طرح میز پر آ کر پاس رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگی۔ تھوڑی دیر میں خاں صاحب نے کہا کہ اسمٰعیل ہاتھ چھوڑ دو۔ جب اُس نے ہاتھ چھوڑ دئے تو مریم اپنے حواسوں میں واپس آنے لگی۔ دوبارہ میرے کمرہ کے نظام میں تزلزل شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ سکون ہونا شروع ہوا۔ اب جو میں نے مچھلی کو دیکھا وہ بالکل ساکت رکھی ہوئی تھی۔ قلمدان اپنی جگہ پر تھا۔ کپڑے کھونٹیوں پر تھے۔ اور دروازوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی میں کاغذ اُٹھایا دیکھا لکھا ہوا تھا۔

". . . . میرا نام رام ناتھ ہے، پیشہ ملازمت قوم کورمی ساکن شاہ آباد آرہ کاہوں میں بہت خوبصورت تھا۔ ایک جوگی سے میرا تعلق ہو گیا۔ اوس سے میں نے یہ سیکھ لیا کہ کس طرح ایک قالب سے دوسرے قالب میں جا سکتے ہیں۔ اور کس طرح اپنے اصلی قالب میں واپس آسکتے ہیں۔ جب یہ فن مجکو آگیا تو میں نے ایک دن یہ تماشا کیا کہ میرے کٹی کے سامنے ایک سوار جارہا تھا۔ میں نے خیال کیا۔ اس کے قالب میں داخل ہونا چاہیے۔ میں بھی جنگل میں اوس کے تعاقب میں چلا۔ وہ

تھوڑی دور جاکر چشمہ کے کنارہ سبزہ پر لیٹ کر سو گیا۔ میں نے فوراً اپنے عمل سے اوس کو سُلا دیا۔ اور اپنے قالب سے نکل کر اوس کے قالب میں داخل ہو گیا۔ اور اپنے جسم کو حفاظت سے وہیں چھوڑ دیا۔ میں گھوڑے پر بیٹھ کر آبادی کی طرف واپس چلا کہ دفعتاً پولس کے ایک مسلم دستے نے مجکو حراست میں لے لیا۔ معلوم ہوا کہ میں نے کسی ٹھاکر کو اوس کی حسین لڑکی کے خاطر جان سے مار ڈالا ہے۔ مجکو تشویش ہوئی کہ ناحق میں نے ایسے مجرم کے قالب میں اپنی روح ڈالی۔ اب کیا کر سکتا تھا۔ فوراً حراست میں لے لیا گیا۔ میں واقعات سے واقف نہیں تھا۔ حوالات میں بند کر دیا گیا مقدمہ شروع ہوا معلوم ہوا میرے اعزہ بہت سے پیدا ہو گئے ہیں یعنی اوس (چھتری کے اعزہ) مقدمہ کی پیروی شروع ہوئی خوب خوب روپیہ خرچ ہوا۔ ایک دن اتفاق سے ایک لاش معائنہ کے لئے آئی۔ میں نے فوراً اوس کے قالب میں جاکر مخلصی حاصل کی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ مجرم خودکشی کر کے مر گیا۔ میں نے توبہ کی کہ آیندہ کسی شخص کے قالب میں داخل نہ ہوں گا۔ یہ جدید شخص بھی ایک مجرم تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پیر اب میرے اختیار میں تھے۔ میں نے اپنی کٹی میں کیا دیکھا با سکھدیو رام مر گئے میں فوراً اوس کے جسم میں جو ابھی خراب نہ ہوا تھا داخل ہو گیا۔ اب میری بھی اتنی قدر ہونے لگی جس طرح حقیقتاً بابا کی ہوتی تھی۔ میں ایک دن اس چشمہ کے قریب اپنے جسم کو دیکھنے کے لئے گیا۔ معلوم ہوا کہ اوس لاش کو پولس اٹھا لے گئی۔ اور سرگرم تفتیش تھی۔ بالآخر اوس کا کریا کرم کر دیا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ میں نے عہد کیا اب مرد کے بھیس میں نہ آؤں گا —— چنانچہ ایک خوبصورت عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ سو رہی ہے۔ میں فوراً اوس کے جسم میں داخل ہو کر ایک جانب چلا۔ دور سے ایک فوجی افسر آرہا تھا۔ اوس نے مجکو دیکھا اور کچھ اس طرح مجکو دیکھ کر اوس نے دل دے دیا کہ میں بھی مجبور ہو گیا وہ لڑائی پر جانے والا تھا۔ خدا معلوم کس طرح وہ مجکو بھی اپنی بیوی بنا کر ساتھ لے گیا۔ اوس زمانہ میں عراق میں لڑائی ہو رہی تھی۔ اوس افسر نے مجکو قصر شیریں کے قریب ایک مکان میں رکھا۔ اور خود وہ فوج میں چلا گیا معلوم نہیں اوس کا کیا حشر ہوا؟ میں عرصہ تک اوس مکان میں رہی کہ ایک دن ایک ایرانی خاندان تجارت پیشہ آیا۔ اور اُن کی ایک خوبصورت لڑکی سلمہ مجکو بہت پسند آئی۔ وہ اتفاق سے ہیضہ میں مبتلا ہوئی۔ اور جب اوس کا وقت قریب ہوا۔ میں نے اپنا عمل کیا اور اوس کی روح میں داخل ہو کر وہاں سے فرار ہو گئی۔ قصر شیریں میں یہ مشہور ہو گیا کہ فوجی افسر کی نوجوان خوبصورت بیوی دفعتاً ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گئی۔ اور تاجر صاحب کی لڑکی سلمہ دفعتاً جو علیل تھی غائب ہو گئی مختلف افسانے بیان کئے جاتے ہیں —— میں شط العرب چلی گئی۔ وہاں کیپٹن قدوائی سے شادی کی لیکن کچھ دنوں کے بعد میں عورت کے بھیس سے عاجز آگئی تھی۔ ایک دن میں نے اس مچھلی کے قالب میں ایک سوراخ پایا اوس میں مَیں چلا گیا۔ یہ مچھلی۔ سلمہ نے قدوائی کو دی تھی (یعنی میں نے ہی پیش کی تھی)۔ مشہور ہو گئی کہ سلمہ مر گئی۔ اور وہ دفن بھی کر دی گئی۔ میں مچھلی کے قالب میں عرصہ تک میز پر رہا۔ اکثر اشیاء میں نے چرائیں لیکن ایک دن موقعہ مل گیا۔ میں اس مچھلی کے قالب سے بھی نکل گیا۔ اور ایک جوگی کے قالب میں داخل ہوا۔ لیکن ایک جماعت نے مجکو مار ڈالا۔ اور میری روح کو دوسرے قالب میں داخل نہ ہونے دیا —— اب بہت

پریشان ہوں ـــــــ اب وجود ایثری قبول کر چکا ہوں"

میں نے یہ قصّہ پڑھا مجکو کچھ ہنسی آئی اور کچھ غصہ ان خاں صاحب کو تو انعام اکرام دے کر رخصت کیا۔ اور اب تم لوگوں سے یہ واقعہ بیان کرتا ہوں۔

کیپٹن صدیقی ـــ کیا کسی ترک سے تمھاری ملاقات ہوئی تھی؟

فاروقی ـــ میرے سامنے کا واقعہ ہے انھوں نے اس ترک کو کھانا کھلایا تھا۔ چائے پلائی تھی۔

قدوائی ـــ غالباً وہی ہوگا۔ ٹھیک ہے تمھارا خیال صحیح ہے۔

صدیقی۔ اچھا اگر ایسا ہے تو تار دے کر اس واقعہ کی اصلیت دریافت کی جائے۔

فاروقی ـــ اور تمھارے والد والا واقعہ بھی تفتیش طلب ہے!

یہ گفتگو ہوئی رہی تھی کہ دفعتاً آفیسر کمانڈنگ کا تار ملا کہ ۳۸ پانیر رجمنٹ کو برما کی بغاوت فرو کرنے کے لئے تراودی فوراً دوسری گاڑی سے چلا جانا چاہئے۔ اور اوسی وقت یہ حکم سنا دیا گیا۔ اور کیپٹن قدوائی روحانیئں کو گالیاں دیتے ہوئے اپنا اسباب درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ناظر بی۔اے (کاکوروی)

فلسفۂ مذہب | اردو زبان میں بالکل پہلی کتاب جو ایک شخص کو مذہب کی حقیقی اہمیت اور اسلام کے سچے مفہوم سے آگاہ کرتی ہے۔ ان مضامین کے سلسلے نے ملک میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا تھا۔

اس کتاب کے صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں قیمت معہ محصول عہ

تذکرہ خندہ گل | چار روپیہ کی کتاب معہ محصول دو روپیہ میں

دونوں ساتھ دیکھئے

فراست الید ـــــــــــ **فراست التحریر**

عہ ـــ علاوہ محصول ـــ عہ

(دونوں معہ محصول عہ میں)

حضرت نیاز کی ڈائری

ادبی جواہر پاروں کا گنجینہ روانہ ہو رہی ہے معہ محصول ایک روپیہ ایک آنہ میں

مینجر نگار

فن اشتہار

(تاریخی، فنی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے)

انگلستان کے ملک الشعراء شیکسپیر نے کسی زمانہ میں لکھا تھا کہ :- "نام میں کیا رکھا ہے!" لیکن اگر آج شیکسپیر زندہ ہوتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ "نام نکو" حقیقتاً بڑی قیمتی چیز ہے۔ تبلیغ و اشاعت، پروپیگنڈا، ایک طاقت ہے جسکے ذریعہ سے بڑے بڑے کام نکلے ہیں اور ہمیشہ نکلیں گے، مگر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر طاقت میں خیر و شر دونوں پنہاں ہوتے ہیں، اور اب یہ ہمارا سلیقہ ہے کہ ہم اس سے اچھا کام لیں یا برا، جس طرح پروپیگنڈا کے ذریعہ سے کسی قوم کے اخلاق کی تعمیر بھی ہوسکتی ہے اور تخریب بھی اسی طرح تجارتی دنیا میں اشتہار کے ذریعہ سے، بشرطیکہ وہ سچا ہو، ناظرین کو اشیاء کی نوعیت اور خصوصیت سے آگاہ کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ وہ کب اور کہاں مل سکتی ہیں۔

اشتہار ذریعہ شہرت ہے، اور شہرت کے ذریعہ سے انسان کا معیار زندگی بلند ہوجاتا ہے۔ جس طرح عقلمند آدمی گمنام خطوط کی طرف توجہ نہیں کرتے، اسی طرح عموماً ان مصنوعات کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتے جن کے کارخانہ کا نام معلوم نہ ہو۔ اشتہار دینے سے اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور جب کسی چیز کی طلب زیادہ ہوتی ہے تو اس کی پیداوار یا رسد میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر عمدگی اور سرگرمی کے ساتھ کسی چیز کا اشتہار دیا جائیگا اسیقدر وہ زیادہ خرچ ہوگی، اور جس قدر مقدار زیادہ خرچ ہوگی اسی قدر اس کی برآورد میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور جس قدر برآورد کی مقدار زیادہ ہوگی اسیقدر اس کی لاگت میں کمی ہوگی۔

یہ بات کہ اشتہار دینے سے مشتہر کو کس قدر نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ "قومی انجمن خوردہ فروشان" (National Retailer's Association) کی اس رپورٹ سے ہوسکتا ہے جو حال ہی میں شائع کی گئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ مشتہرہ اشیاء میں سے کم از کم ۷۰ فیصدی کی نکاسی ہوتی ہے۔ اور اگر مشتہرہ چیز کی قیمت غیر مشتہرہ چیز کی قیمت سے کسی قدر زیادہ ہو تو بھی مشتہرہ چیزیں ساٹھ فیصدی خریدی جاتی ہیں۔

تاریخ | فن اشتہار بہت قدیم ہے۔ مصر میں ایک قدیم نوشتہ برآمد ہوا ہے جو تین ہزار سال کا پرانا ہے۔ یہ کتبہ فی الحقیقت ایک اشتہار ہے جو ایک دولت مند شخص کی طرف سے دیا گیا تھا، اور جس میں اعلان کیا گیا تھا

کہ اگر کوئی شخص ایک مفرور غلام کا پتہ بتائیگا یا اُسے واپس لاکر حوالہ کریگا تو اسے اس قدر رقم بطور انعام دیجائیگی۔

بائبل کے عہد نامۂ عتیق میں بھی اشتہار کا ذکر آتا ہے۔ صحیفہ روتھ میں بوآز کہتا ہے:- میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اشتہار دوں اور باشندوں کے سامنے کہوں کہ "اُسے خرید لو"۔

قدیم زمانہ میں سکہ کا وجود نہ تھا بلکہ تبادلۂ اشیاء کے ذریعہ سے خرید و فروخت ہوتی تھی۔ پھر چونکہ تبادلۂ اشیاء کرنے والوں کا حلقہ بہت محدود ہوتا تھا۔ اس لئے ہر خریدار مطلوبہ شے کے بنانیوالے سے واقف ہوتا تھا اور اشتہار کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ جب اجنبیت کم ہوتی گئی اور ایک مقام کے آدمیوں کا دوسرے مقام کے آدمیوں سے میل جول بڑھا تو تجارت میں بھی وسعت پیدا ہونے لگی اور ایک مقام کا مال دوسرے مقام تک پہونچنے لگا اور اس کے بعد جب منڈیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مختلف مقامات پر میلے اور بازار لگنے لگے تو ایک مقام کے تاجر دوسرے مقامات میں جاکر مال فروخت کرنے لگے۔ ہر شخص زبانی صداؤں یا منادی کے ذریعہ سے اپنے مال کا اشتہار دینے لگا چنانچہ اب بھی اکثر پھیری والے بازاروں، گلیوں کوچوں میں دلفریب صدائیں لگا کر خریداروں کی توجہ اپنے مال کی طرف منعطف کرتے ہیں۔ جب پندرہویں صدی میں فن طباعت کی ایجاد یورپ میں ہوئی تو سب سے پہلا اشتہار انگریزی میں اپریل سنہ ۱۶۴۷ء میں شائع ہوا جو حسب ذیل تھا:-

"ایک کتاب حکومت کلیسا کا آسمانی حق" جس کی انگلستان کے پادریوں نے بیحد تعریف کی ہے، اور جسے لندن کے بہت سے ممتاز علماء دین نے تالیف کیا ہے۔ جس کی بہت سے مقامات میں تصحیح ہوئی ہے اور بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ علماء دین انگلستان کے خلاف بعض سوالات کے جوابات بھی دے گئے ہیں۔ حسب فرمائش جوزف ہنسکاٹ اور جارج کالورٹ شائع ہوئی ہے جو اسٹیشنرس ہال اور گولڈن فلیس میں فروخت ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں ہفتہ وار اخباروں کو "مرکریز" (Mercuries) کہا کرتے تھے۔ چنانچہ مرکیوریس ایلینک ٹیکس (Mercurius Elancticus) کے نمبر ۴۸ مورخہ ۴ اکتوبر سنہ ۱۶۴۸ء میں حسب ذیل اشتہار شایع ہوا:-

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہ ایک وعظ "آئینۂ اشتراکین" کا مطالعہ فرمائیں جو مسٹر پال نیل ایم۔ اے نے بروز اتوار مورخہ ۲۴ ستمبر سنہ ۱۶۴۸ء کو بمقام سینٹ پیٹرز ارشاد فرمایا تھا۔ ایک دوسری کتاب قابل ملاحظہ اور ہے۔ جس کا نام ہے "ہمارے مصلحین کا عکس مع دعا برائے پارلیمنٹ"

اسی طرح "مرکیوریس پولیٹکس" (Mercurius Politicus) مورخہ جنوری سنہ ۱۶۵۲ء میں ایک نظم کے متعلق اشتہار نکلا جو دراصل ایک شجاع جنرل کی شان میں قصیدہ تھا۔

"دی کرومبی ریکارڈس" مورخہ سنہ ۱۶۵۹ء میں اشتہار بازی کے متعلق حسب ذیل مشورہ دیا گیا تھا:-

"بہت مناسب ہوگا کہ ہر موضع یا قصبہ میں کوئی مشہور اور نمایاں مقام مقرر کیا جائے مثلاً گرجا کا دروازہ، سرائے یا لوہار کی دکان وغیرہ جہاں اس قسم کے اشتہارات چسپاں کئے جایا کریں، مثلاً فلاں کھیت لگان پر دیا جائیگا، فلاں شخص کو ملازم کی یا ملازم کو نوکری کی ضرورت ہے۔ وغیرہ وغیرہ"

رفتہ رفتہ اخباروں میں اشتہارات کی اس قدر بھرمار ہونے لگی کہ لندن گزٹ کو اپنے نمبر ۶۲ مورخہ جون سنہ ۱۶۶۶ء میں ایک اشتہاری ضمیمہ شائع کرنے کے بارہ میں حسب ذیل نوٹس شائع کرنا پڑا:۔

اشتہار:۔ چونکہ روزمرہ کتابوں، ادویہ، اور دیگر چیزوں کے اشتہارات کی ضرورت سے زیادہ کثرت ہوتی جاتی ہے، جن کا شائع کرنا ایک خبر رساں اخبار کے فرائض سے باہر ہے، اس لئے خاص و عام کو ہمیشہ کے لئے مطلع کیا جاتا ہے کہ ہم اپنے گزٹ کو اشتہاروں سے ہرگز نہ بھریں گے، تا وقتیکہ ان اشتہارات کا تعلق امور سلطنت سے نہو البتہ اشتہاروں کا ایک پرچہ علیحدہ شائع کرکے پبلک میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری نوٹسوں کے علاوہ اُس زمانہ میں جس قدر اشتہارات شائع ہوتے تھے اُن کا تعلق زیادہ تر کتابوں اور دواؤں سے ہوتا تھا۔ البتہ "مرکیوریس پولی ٹیکس" نمبر ۴۳۵ مورخہ ستمبر سنہ ۱۶۵۸ء میں سب سے پہلا اشتہار ایسا شائع ہوا جس کا تعلق ان چیزوں سے نہیں تھا وہ اشتہار یہ تھا:۔

"ایک نہایت نفیس چینی مشروب جسکی اطبا، تعریف کرتے ہیں، اور جسے اہل چین "Tcha" (چائے) اور دیگر اقوام "تائے" (Tay) یا "ٹی" (Tee) کہتے ہیں، قہوہ خانہ سوئٹنگ رینٹ میں فروخت کی جاتی ہے بیچنے والے لندن کے رائل اکسچینج والے ہیں"

اس سے ہر شخص واقف ہے کہ برطانیہ اور امریکہ میں بہت سے کاروبار والے ایسے ہیں جو اپنے اشتہاروں پر ہزاروں پونڈ سالانہ صرف کرتے ہیں، چنانچہ پٹینٹ دوا کی ایک کمپنی برطانیہ اور امریکہ میں ایسی ہے، جس نے ایک سال کے اندر اشتہاروں پر دو لاکھ پونڈ خرچ کئے اور کوکو بنانے والے ایک کارخانہ نے صرف برطانیہ کے اندر ڈیڑھ لاکھ پونڈ محض اشتہاروں پر صرف کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کارخانوں کو اشتہار کے ذریعہ سے کسقدر آمدنی ہوتی ہے کہ وہ اس قدر عظیم الشان مصارف اشتہارات کے برداشت کر سکتے ہیں۔ الغرض تجارت کے میدان میں اشتہار نے ایک مستقل اہمیت حاصل کر لی ہے۔

اشتہار کی مختلف صورتیں

بیسویں صدی کی ابتدا میں جس قسم کے اشتہارات دئے جاتے تھے، اُن کو ہم مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم کر سکتے ہیں:۔

(۱) گذشتہ ربع صدی کے اندر کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں اشتہار دینے کا کام اس قدر وسعت اختیار

کرگیا ہے کہ اشتہار نویس اور مصوروں کی بہت بڑی تعداد پیدا ہوگئی ہے، مگر جہاں تک اشتہار نویسی میں جدت کا تعلق ہے، اس کا سہرا اہلِ امریکہ کے سر ہے۔ جسقدر ترقی اور وسعت اہلِ امریکہ نے فنِ اشتہار بازی کو دی ہے، اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری قوم نہیں کرسکتی۔ ابتدا میں انگلستان کے مشتہرین اخبار کا صرف ایک کالم استعمال کیا کرتے تھے۔ انکا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ اپنا اور اپنے کارخانہ کا نام ناظرین کے سامنے بار بار پیش کریں۔ اور ان کے اشتہاروں میں نہ کوئی دلفریبی ہوتی تھی نہ دلچسپی۔ ایک عیب اُن کے اشتہاروں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ تمام اشتہار شروع سے آخر تک نہایت باریک ٹائپ میں چھاپا جاتا تھا۔ لیکن اب اشتہار ہر قسم کے ٹائپ اور نمایاں جگہ میں مع تصاویر کے شائع کئے جاتے ہیں

(۲) بڑے بڑے کاغذ کے تختوں پر نمایاں سرخیوں اور دیدہ زیب تصاویر کے ذریعہ سے بھی اشتہار دئے جاتے ہیں۔ پوسٹروں کا خط عموماً جلی اور سرخیاں عموماً دلچسپ ہوتی ہیں۔ مضمون اگرچہ کم ہوتا ہے۔ مگر دلچسپ اور موثر زیادہ ہوتا ہے۔ پوسٹر عموماً شارع عام پر چسپاں کر دئے جاتے ہیں۔ مگر اب یہ طریقہ غیر موثر ہوگیا ہے، کیونکہ لوگ شارع عام پر کھڑے ہوکر اب کسی اشتہار کا پڑھنا اچھا نہیں سمجھتے۔

(۳) اشتہارات اور لٹریچر بذریعہ ڈاک لوگوں کے پاس روانہ کرنا۔

نفسیاتی نقطۂ نظر سے

جس طرح ہر مشتہر کو اپنے مفاد کا خیال ہوتا ہے، اسی طرح ہر خریدار کو اپنے نفع کی فکر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عموماً وہ اشتہارات زیادہ کامیاب ہوتے ہیں جو براہ راست اور خوشگوار طریقہ سے ناظرین کے مفاد اور ان کی خواہشات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک اشتہار میں حسب ذیل الفاظ درج ہیں۔

"یہاں آپ کو ہر قسم کی چیزیں ملیں گی۔ اور جس قیمت اور خوبی کی چیز آپ پسند فرمائیں گے وہ آپ کے سامنے پیش کی جائیں گی"

مندرجہ بالا عبارت کی طرف زیادہ خریدار متوجہ ہوں گے بمقابلہ مندرجہ ذیل تحریر کے:۔

"ہمارے یہاں ساماں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ ہمارا مال اعلیٰ قسم کا ہے۔ ہمارے یہاں قیمتیں کم ہیں"

ہمیشہ اس قسم کا اشتہار کاروبار کے لئے مفید ہوتا ہے جس میں خریدار کو دوستدارانہ مشورہ دیا جائے کیونکہ اس طرح اشتہار اشتہار نہیں رہتا بلکہ وہ ایک دلچسپ پیام اور نوید خوشخبری ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے اشتہار کے لئے ضروری ہے کہ دوکاندار اپنے گاہکوں یا متوقع خریداروں سے بخوبی واقف ہو، ان کے رجحانات اور طبائع کا پوری طرح علم حاصل ہو ورنہ نتیجہ مفید نہیں نکل سکتا۔ مثلاً فرض کیجئے شمس النہار اور بدرالنسا، دو بہنیں ہیں، ایک کی شادی کسی تعلقدار سے ہوئی ہے اور دوسری ایک سوداگر کے عقد میں آئی ہے۔ دونوں کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق لباس اور دیگر ضروریات کی تلاش ہے۔ اس لئے ایک ہی اشتہار کے ذریعہ سے آپ دونوں بہنوں کو اپنا خریدار نہیں بنا سکتے۔ آپ کو دونوں کے سامنے مختلف مضمون کے اشتہارات پیش کرنا ہوں گے۔

ایک ہوشیار اور دانشمند مشتہر اپنے اشتہار کو اس خوش اسلوبی سے پیش کرے گا کہ دیکھنے والوں کے احساسات فوراً متاثر ہوں۔ مثلاً ایک مشتہر اپنے کارخانہ کی بنی ہوئی چائے فروخت کرنا چاہتا ہے، اپنے اشتہار میں وہ ایک ایسی تصویر دیتا ہے جس میں ایک شخص چائے پیتا نظر آتا ہے اور اس کا چہرہ مسرور ہے۔ اس تصویر کے ذریعہ سے گویا مشتہر نے شائقین چائے کی نہ صرف حس باصرہ سے اپیل کی ہے بلکہ چہرہ کو شگفتہ دکھا کر لوگوں کی حس ذائقہ سے بھی اپیل کی گئی ہے، اور اگر تصویر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ پیالی سے بھاپ اٹھ کر پینے والے کی ناک تک پہونچ رہی ہے اور وہ مسکرا رہا ہے تو یہ تصویر قوت شامہ کو بھی متاثر کریگی۔ الغرض تصویری اشتہاروں کے ذریعہ سے حواس انسانی پر اثر ڈال سکتے ہیں۔

انسان کی خاص خاص خواہشات حسب ذیل ہیں:۔
بھوک۔ تعلقات جنسی۔ مادری یا پدری تعلق، اشتیاق، خوف۔ جنگجوئی۔ مدنیت، جذبۂ تفوق، عجز و انکسار۔ اور اس لئے جو مشتہرین زیادہ تجربہ کار ہوتے ہیں وہ اپنے اشتہارات میں حسب ضرورت اُنھیں احساسات کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور چونکہ حسن نسوانی کا فطرتاً انسان کے دل پر بہت اثر پڑتا ہے اس لئے سوئی سے لیکر موٹر تک کے اشتہارات میں حسین و جمیل عورتوں کی تصویروں سے کام لیا جاتا ہے۔ خصوصاً منجن کا تو کوئی اشتہار کسی خوبصورت خاتون کی تصویر سے خالی نہیں ہوتا یہی حال عطریات کا ہے۔

اس کا بڑا لحاظ رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے حافظہ میں کیونکر کسی چیز کے خیال کو مرتسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک کارخانے سگار کا اشتہار دینا شروع کیا اور اس کو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ اس کی ترقی کا راز صرف یہ تھا کہ سگار کے بکس پر جو کاغذ لپٹا جاتا تھا اس پر اس ملک کے ایک دلفریب منظر کی تصویر بنائی گئی تھی جہاں اس سگار کا تمباکو پیدا ہوتا تھا آپ نے موٹر ٹائر کا ایک اشتہار انگریزی اخباروں اور رسالوں میں دیکھا ہوگا جس میں ایک آدمی کی پوری تصویر ٹائروں کے ذریعہ سے بنا دی جاتی ہے۔ اس کا نام جدت ہے اور اشتہار میں اس سے بہت کامیابی ہوتی ہے۔ ایک موٹر کے اشتہار میں موٹر چلانے کی جگہ پر بندر بٹھا دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ اس موٹر کا چلانا اس قدر آسان ہے کہ اُسے ایک جانور یا بچہ تک چلا سکتا ہے۔ اس اشتہار کو دیکھتے ہی عوام کی قوت تخئیل پر اثر پڑتا ہے۔ اشتہار کے لئے بہترین چیز مشتہر کا ذاتی تجربہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اشتہار دیکر دولت کمانا چاہتا ہے تو اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ وہ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں سب کے خصوصیات اور رجحان طبع سے بخوبی واقف ہو۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی توجہ اپنے مال کی طرف منعطف کرکے اُن کو اپنا خریدار بنائیں تو آپ کو چاہیے کہ خود کو اپنے آپ خریدار کی جگہ تصور کریں اور سوچیں کہ آپ کے خیالات کیا ہیں ——— اور یہ کہ آپ نے جو اشتہار اپنے مال کا دیا ہے اس کا اثر آپ کی طبیعت پر پڑتا ہے۔ موثر اشتہار کے لئے ضروری

ہے کہ جو کچھ بذریعہ اشتہار آپ فروخت کرنا چاہتے ہیں اس کی نسبت سب کچھ صاف صاف اور سچ سچ کہدیجئے اگر آپ بذریعہ اشتہار کوئی ایسی چیز فروخت کرنا چاہتے ہیں جو واقعی اچھی نہیں ہے تو اشتہار دینے کی ضرورت نہیں اور نہ اس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔

اشتہار کی عبارت ایسی ہونی چاہئے کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ آپ کو شے مشتہرہ کے تمام حالات سے پوری آگاہی حاصل ہے اسی لئے اگر وہ چیز مختلف صورتوں میں استعمال ہو سکتی ہے تو آپ کو اشتہار میں صاف صاف لکھنا چاہئے کہ - اس چیز کے اتنے فوائد ہیں" یہ نہ لکھیں کہ "اس چیز کے بیشمار فوائد ہیں"

خریدار کی طبیعت پر اثر ڈالنے کے لئے اشتہار کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کے سچے ہونے کا یقین آجائے شے مشتہرہ کی تمام خصوصیات بلاکم وکاست بیان کر دینا چاہئے اور مبالغہ سے بالکل کام نہ لینا چاہئے۔ اشتہار میں طویل فقروں سے ہمیشہ محترز رہنا چاہئے، کوئی فقرہ تیس پنیتس لفظوں سے زیادہ نہ ہو، اور جس اشتہار میں عوام الناس کو مخاطب کیا جائے اس میں دس پندرہ لفظوں سے زائد کا کوئی فقرہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ عوام کی تعلیم ناقص ہوتی ہے۔ عبارت نہایت صاف صاف ہونا چاہئے اور الجھن سے بالکل صاف۔ فعل و فاعل اور خبر و جزا کو قریب ہی ترتیب رکھو۔ تعقید ہرگز نہ پیدا ہونے دو، ہر فقرہ اپنے معنی و مطلب کے لحاظ سے مکمل ہو تا کہ پڑھنے والا پڑھنے کے ساتھ سمجھتا چلا جائے اور کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ الفاظ کی ترتیب اور جملوں کی ترکیب میں ہمیشہ صرف و نحو کا خیال رکھو۔ "یہ" "وہ" "اِس" "اُس" - اور "کب" "جب" "کہاں" وغیرہ کے اشارے صاف اور صحیح ہوں غیر مانوس، ثقیل، اور بازاری الفاظ سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے یہ یاد رہے کہ اگر اردو زبان میں اشتہار دے رہے ہیں تو ترکی، عربی، فارسی کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال قطعی نامناسب ہے۔ اسی طرح سنسکرت یا ہندی الفاظ کی بھرمار بھی مناسب نہیں الغرض اشتہار کے الفاظ لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رہے کہ سمجھنے کے لئے پڑھنے والے کو دماغ پر زور دینا نہ پڑے۔ اشتہار کی جان لوگوں میں حالت منتظرہ پیدا کرنا ہے۔ یعنی اشتہارات کی ترکیب اس طرح ہونی چاہئے کہ پہلے اپنے مال کی صنعت بیان کرتے ہوئے اس کے نام معلوم کرنے کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جائے اور پھر رفتہ رفتہ آخر میں مشتہر چیز کا نام بتایا جائے اس سے اشتہار میں ایک قسم کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

نئی زمانہ زندگی کی جد و جہد اس قدر سخت ہوگئی ہے کہ لوگوں کو بڑی بڑی تحریریں پڑھنے کی فرصت نہیں۔ اسلئے اشتہار دیتے وقت ہمیشہ اختصار کا خیال رکھنا چاہئے۔ اشتہار میں ہمیشہ کم سے کم الفاظ استعمال کرو۔ لیکن یہ الفاظ ایسے ہونے چاہئے کہ چیز کی تصویر سامنے آجائے۔

اشتہار کو دیدہ زیب بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے اسّی فیصدی تاثرات حسِ باصرہ کے ذریعہ سے پیدا ہوتے

ہیں۔ اشتہار میں جسقدر الفاظ اور ترکیبیں استعمال کی جائیں وہ معروف افعال صیغوں کی صورت میں ہوں، مجہول نہ ہوں مثلاً آپ یہ لکھئے کہ:۔

"فلاں چیز استعمال کرکے اپنی مدد کیجئے، اپنا وقت بچائیے۔ اور اپنی پریشانی رفع کیجئے"

یہ نہ لکھئے کہ:۔

"اگر آپ فلاں چیز استعمال کریں گے تو آپ کو مدد پہونچیگی، آپ کی دقتیں رفع ہوجائینگی اور آپ کا وقت بچ جائیگا"

زوردار الفاظ ہمیشہ اس جگہ استعمال کیجئے جہاں زور دینے کی ضرورت ہو اور کوئی دعوی بغیر دلیل اور ثبوت کے پیش نہ کیجئے۔ اشتہار ہمیشہ اثباتی و ایجابی الفاظ میں ہونا چاہئے اور منفی الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے۔

مثلاً اگر چاقو کا اشتہار دینا ہے تو یہ لکھو کہ:۔ "اپنی دھار ہمیشہ قائم رکھتا ہے" یہ نہ لکھو کہ جلد کند نہ ہوگا"

آج کل جو اشتہارات رائج ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جذباتیہ، یعنی ایسے اشتہار جن کے ذریعہ سے ہم انسان کے جذبات سے اپیل کرتے ہیں ان میں زیادہ تر تصاویر سے کام لیا جاتا ہے، دوسرے تعلیلیہ۔ یعنی وہ اشتہار جن میں بذریعہ دلائل شئے مشتہرہ کی خوبی ثابت کی جاتی ہے۔ اور اگر ہم کسی اشتہار میں یہ دونوں باتیں پیدا کرسکیں تو کامیابی کی زیادہ توقع ہے۔

آج کل جو نمائشی اشتہارات نظر آتے ہیں وہ صنعت و تجارت دونوں کے امتزاج کا نتیجہ ہیں جب سے دنیا میں موٹروں کی کثرت ہوگئی ہے، پوسٹروں کے ذریعہ سے اشتہار دینے کا طریقہ بہت وسعت اختیار کرگیا ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف مناسب مقامات پر خوبصورت اور موثر اشتہارات چسپاں نظر آتے ہیں۔ جن کے جلی حروف اور دلچسپ سرخیوں پر اہل نظر کی توجہ ضرور منعطف ہوتی ہے۔ ایک خوبصورت اور دلآویز تصویر اور چند دلچسپ الفاظ کا اشتہار خریدار مہیا کرنے میں سحر کا کام دیتا ہے۔ بعض پوسٹر جو اپنے عقبی منظر سے ہم آہنگی پیدا کرلیتے ہیں وہ نہ صرف منظر کو چار چاند لگا دیتے ہیں بلکہ خریداروں کی توجہ فوراً جذب کرلیتے ہیں۔ بجلی کے ذریعہ سے اشتہار دینے کا طریقہ بھی بالکل حال کی چیز ہے۔ بازاروں میں جہاں برقی روشنی ہوتی ہے اکثر نمایاں مقامات پر کسی چیز کا نام یا پتہ تحریر کردیا جاتا ہے جس پر طاقتور برقی قمقموں کی روشنی پڑتی ہے اور پھر چند لمحہ بعد خود بخود غائب ہوجاتی ہے تو اس کا اثر شئے مشتہرہ کی شہرت پر بہت پڑتا ہے۔ اگر روشنی رنگین اور تیز ہوتی ہے تو وہ اور بھی زیادہ جاذب توجہ ہوتی ہے برقی قمقموں کو اس طرح قائم کیا جائے کہ روشنی دور تک پھیلے۔

یہ یاد رکھئے کہ آپ کی دکان ایک اسٹیج ہے۔ اور فروخت کرنے والا ایک ایکٹر۔ لہذا آپ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ فروخت کرنے والے کا لباس عمدہ اور صاف ہو، اور وہ ایک ایکٹر کی طرح وقت اور موقعہ دیکھکر خریداروں سے گفتگو کرے، اسی طرح دکان کو بھی ہمیشہ صاف اور آراستہ رکھنا چاہئے۔ اگر آپ کے یہاں ہر قسم کا مال موجود ہو

اور دکان میں قرینہ اور سلیقہ کے ساتھ سجا ہوا نہیں ہے تو آپ کی دکان کی طرف بہت کم خریدار متوجہ ہوں گے۔

اشتہار بذریعہ ڈاک

اشتہار دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہر شہر و قصبہ کے مشہور اور صاحب حیثیت اشخاص کی فہرست مرتب کر لی جاتی ہے اور پھر ان کے پاس، خطوط، نمونے، فہرستیں، جنتریاں رسالے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں مگر یاد رکھئے کہ آپ کا لیٹریچر آپ کا نمائندہ ہوتا ہے اور اس لئے آپ کے اشتہاری خطوط کی نوعیت ہمیشہ ایسی ہونی چاہیئے کہ اگر ان کے مضمون کو باواز بلند پڑھا جائے تو ایسا معلوم ہو گویا خریدار کے سامنے آپ خود کلام کر رہے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ اشتہاری خطوط میں اگر تصاویر اور رنگین حروف سے کام لیا جائیگا تو ان کا اثر اور زیادہ ہوگا۔ اشتہاری خطوط کی کتابت و طباعت نہایت پاکیزہ ہونا چاہیئے اور کاغذ بہت نفیس، ایک انسان اگر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ بلانے سے نہیں بولتا تو تیسری مرتبہ ضرور بولیگا، اسی طرح اگر آپ کسی صاحب کی خدمت میں اپنا اشتہاری خط ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ارسال کریں تو ممکن ہے کہ وہ بے اثر رہے مگر تیسری مرتبہ آپ کے خط کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔ اس لئے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور بار بار اپنا اشتہار بھیجنا چاہیئے۔

ڈاک کے اشتہاروں کو عموماً کسی دلچسپ خبر، حیرت انگیز بیان، اور بعض اوقات کسی دلچسپ لطیفہ سے شروع کرتے ہیں، بشرطیکہ یہ باتیں نفس مطلب سے غیر متعلق نہ ہوں بلکہ چسپاں ہوں۔ اشتہاری خط کا پہلا پیراگراف ہمیشہ ایسا ہونا چاہیئے جسے پڑھتے ہی انسان متوجہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ فوائد بتائے جو شے مشتہرہ سے حاصل ہو سکتے ہیں پھر اس کی قیمت اور شرائط خریداری سے آگاہ کیجئے۔ خط کے آخری حصہ میں آپ پر زور الفاظ کے ذریعہ سے ایسا اثر ڈالئے کہ خریدار فوراً آمادہ عمل ہو جائے۔ مثلاً لکھئے کہ:—

کارڈ لفافہ پر دستخط کر کے ابھی بواپسی ڈاک ارسال فرما دیجئے۔ یا اگر ہماری دکان کی طرف سے گذر ہو تو آج ہی تکلیف کر کے خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ یا یہ کہ فلاں رعایت فلاں تاریخ کو ختم ہو جائیگی۔

فہرستوں میں تصاویر سے کام لینا اشتہار دینے کا نہایت موثر طریقہ ہے، اشتہار کی تصویر گویا آپ کے مال کی نقیب یا خطیب ہوتی ہے۔ حروف اور تصاویر کے رنگوں کا بھی خریداروں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مثلاً شکاگو کی ایک دکان نے اپنی ایک فہرست سیاہ و سفید اور دوسری رنگین شائع کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاہ و سفید کے مقابلہ میں رنگین فہرست کے ذریعہ سے بہت زیادہ فرمائشیں موصول ہوئیں۔ گمنام چیزوں کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوتے ہیں، اس لئے آپ اپنی ہر چیز حتیٰ کہ فہرست تک کا بھی کچھ نہ کچھ نام رکھئے۔ مثلاً گھڑی ہے تو لکھئے "ہیرا-17" دوا ہے تو لکھئے "اکسیر عـ۵" فہرست ہے تو لکھئے "ہماری فہرست عـ۳ طلب فرمائیے۔" وغیرہ

اشتہار کی ترتیب

لوگ آپ کا اشتہار پڑھنے کی زحمت اسی وقت گوارا کریں گے جب آپ ان کو کسی نہ کسی طرح

اپنی طرف متوجہ کریں گے۔ اور توجہ حاصل کرنے کا اولین ذریعہ اشتہار کی سُرخی ہے۔ اگر آپ اِس میں کامیاب ہوگئے تو سمجھ لیجئے کہ لوگ اشتہار کے مضمون کو بھی پڑھیں گے جسے اپنی طرز ادا، استعمال تصاویر وغیرہ کے لحاظ سے اتنا ہی دلکش و موثر ہونا چاہیئے۔ جس طرح اشیاء مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح ان کے اشتہار میں بھی اختلاف و فرق ہونا چاہیئے۔

مثلاً اگر کسی باربرداری کے موٹر کا اشتہار دینا منظور ہے تو آپ کو اشتہار میں اس کے پرزوں کی مضبوطی اور زمین کی دشوار گذاری دکھانا پڑے گی، اور اگر کسی زنانہ تفریحی موٹر کا اشتہار دینا ہے تو اس میں آپ گاڑی کی خوبصورتی و نزاکت دکھلائیں گے۔ پہلے اشتہار کے منظر میں سختی و کرختگی اور دوسرے اشتہار کے منظر میں نفاست اور دلفریبی پیدا کرنا پڑے گی۔

اپنے ہر اشتہار میں آپ کو اپنا تجارتی نشان یا اپنے مخصوص دستخط ضرور دینا چاہیئے۔ جب ان پر لوگوں کی نظر بہ تواتر کے ساتھ پڑیں گی تو اس سے نہ صرف آپ کے مال کی شہرت بڑھ جائیگی بلکہ ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اشتہار پڑھنے والے کو آپ کی دیگر مصنوعات بھی یاد آجائیں گی۔ مثلاً کانپور کے ایک مشہور کارخانہ کا تجارتی نشان "لال اِملی" ہے۔ اس کارخانہ کا یہ نشان جب کسی اشتہار یا چیز پر نظر پڑیگا تو اس کی بنائی ہوئی اور چیزیں بھی خیال میں آجائینگی۔ اشتہار میں سرخی اور مضمون کے ساتھ ہی اگر رنگ آمیزیوں اور تصویروں سے بھی کام لیا جائے تو اشتہار میں خاص کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن نقوش و تصاویر کو شے مشتہرہ کے لحاظ سے انتخاب کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر آپ عطر کی شیشیاں فروخت کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنے اشتہار میں خوشنما پھولوں، رنگین حاشیوں، یا کسی جمیل عورت کی تصویر سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن بندوقوں اور کارتوسوں کے اشتہار میں ایسی چیزیں بالکل مہمل معلوم ہوں گی۔ اس کے لئے جنگلی جانوروں اور صحرائی مناظر کی تصویریں مناسب ہیں۔ اشتہار کی کتابت میں خفی و جلی مختلف قلموں سے کام لینا چاہیئے، کیونکہ اختلاف سے دیدہ زیبی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر آپ اپنے اشتہار میں کوئی ایسی تصویر شائع کریں جس میں انگلی سے اشارہ کیا گیا ہے، تو دیکھنے والے کی توجہ فوراً اشارہ کردہ مقام کی طرف مبذول ہوجائیگی یہی اثر سگریٹ کے دھوئیں کے خمدار نشان کا ہوا کرتا ہے۔

اگر کسی موٹر کے اشتہار میں کسی جمیل عورت کی تصویر دی جائے تو وہ ضرور توجہ کو مائل کرے گی، لیکن اگر عورت کو اس طرح سے دکھایا جائے کہ وہ موٹر میں بیٹھی ہوئی سیر کر رہی ہے تو اس کا اثر اور زیادہ اچھا ہوگا۔ تصاویر کے بارہ میں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے ایک یہ کہ تصویر میں شے مشتہرہ کو استعمال کرتے ہوئے دکھانا چاہیئے اور دوسرے یہ کہ تصویر کے ذریعہ سے شے مشتہرہ کی عمدگی ساخت کو دلفریب ماحول کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے۔

تصویریں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کے دیکھنے سے کوئی واقعہ نظروں کے سامنے پھر جائے اور دوسری وہ جو محض جذب نظر کے لئے استعمال کیجائے۔ مشتہر کے لئے لازم ہے کہ وہ دونوں قسم کی تصاویر کا صحیح استعمال سیکھے

یاد رکھنے کے قابل باتیں مشتہر کو لازم ہے کہ وہ اشاعت اشتہارات سے پہلے ہی پورا خاکہ مرتب کرے اور اچھی طرح سوچ لے کہ مشتہر کردہ شے کے خریدار کون لوگ ہوں گے اور یہ کہ اُس کو فروخت کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہوگا۔

سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ جس چیز کا آپ اشتہار دینا چاہتے ہیں وہ ضروریات میں داخل ہے یا سامان تعیش ہیں، نیز یہ کہ وہ کوئی پرانی چیز ہے یا نئی۔ کیونکہ وہ چیزیں جو ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ ان کے اشتہارات ان چیزوں کے اشتہارات سے مختلف ہونے چاہئیں جو جدید ہیں یا سامان تعیش میں داخل ہیں۔ اول الذکر قسم کی اشیا میں قیمت کا خیال سب سے بڑی چیز ہے، اور دیگر قسم کی اشیا میں وضع قطع، صورت شکل کی دیدہ زیبی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر شے مشتہرہ بالکل جدید چیز ہے تو اُس کے استعمال کے متعلق خریداروں کو تعلیم دینا پڑے گی، اور اگر شے مشتہرہ کوئی مانوس چیز ہے تو خریدار کو اطمینان دلانا پڑے گا کہ آپ کی چیز دوسری چیزوں سے کیوں بہتر ہے۔

اگر آپ کی مشتہر کردہ چیز میں کچھ خصوصیات خاص ہیں تو دوسری اشیا کے مقابلہ میں ان کو ظاہر کیجئے۔ یہ بھی دیکھئے کہ آپ کی چیز کسی خاص موسم میں زیادہ فروخت ہوتی ہے یا ہمیشہ فروخت ہوتی رہتی ہے، اگر آپ کی چیز فصلی ہے تو اس کے اشتہار کو اسی زمانہ میں وسعت دیجئے جس زمانہ میں وہ زیادہ فروخت ہوتی ہے، اگر آپ کی چیز جاڑوں میں زیادہ فروخت ہوتی ہے تو گرمیوں کے زمانہ میں اس کا اشتہار ان ممالک میں دیجئے جو خط استوار سے زیادہ جانب جنوب واقع ہیں۔

یہ بھی خیال رکھئے کہ آپ کی چیز کو خریدنے والے کون لوگ ہیں۔ یعنی سامان خورد نوش کی طرح اسے ہر شخص خریدتا ہے یا وہ ایسی چیز ہے جس کا خریدار کوئی خاص طبقہ ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ آپ کی چیز کا خریدار مردوں کا طبقہ ہے یا عورتوں کا اگر آپ کی چیز کے خریدار سب لوگ ہیں تو آپ اپنا اشتہار اس طریقہ سے دیجئے کہ وہ سب کو اپیل کرے، لیکن اگر اسکی خریدار کوئی خاص جنس ہے تو اشتہار دیتے وقت اس خاص جنس کا خیال رکھئے۔

اگر آپ کی چیز کے خریدار کسی خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً مدرسین، یا مزارعین، یا اہل سیف، وغیرہ وغیرہ تو آپ اپنے اشتہار کی ترکیب و ترتیب ایسی رکھئے کہ وہ اس خاص طبقہ کے لوگوں پر اثر انداز ہو۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہر شخص کسی ایک چیز کو ایک ہی مصرف کے لئے نہیں خریدتا۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ ہر خریدار کے مزاج سے پوری واقفیت حاصل کریں۔ اور یہ بھی خیال رکھئے کہ آپ کے خریدار قیمت کا زیادہ خیال رکھتے ہیں، یا مال کی خوبی اور اس کے فوائد کا۔

گلابی اردو - (ملا رموزی) قیمت صرف ۸ر بحر تبسم (شوکت تھانوی) قیمت ۱۲ر منیجر نگار لکھنؤ

تاریخ کا ایک پوشیدہ ورق

حسن تائب

خادمہ، ملکہ تیودورا کے حضور میں آئی، جھک کر آداب بجالائی اور آگے بڑھکر ملکہ کے کان میں آہستہ سے کہا کہ –
"میکائیل" ——

تیودورا نے اپنا سر اُٹھایا اور پوچھا "بڑا یا چھوٹا؟"

خادمہ نے جواب دیا "اے ملکۂ عالم، بڑا"

ملکہ نے کہا "بہتر ہے بلاؤ" —— خادمہ چلی گئی

ملکہ نے اپنی جگہ سے اُٹھکر، چیتے کو جو اس کے قدموں پر پڑا سو رہا تھا، قریب کے پنجرہ میں لیجاکر بند کردیا، اور واپس آکر اس کمرہ میں جس کا دریچہ سمندر کی طرف کھلتا تھا، مخمل و حریر کے گدّوں اور تکیوں پر جاکر لیٹ رہی۔

اسی وقت ایک کشیدہ قامت نوجوان اندر داخل ہوا، جس کی آنکھیں نیلگوں تھیں اور بال بھورے –
میکائیل دوزانو ہوا، ملکہ نے اپنا خوبصورت ہاتھ آگے بڑھایا اور اس نے اپنے لبوں سے لگالیا۔ ہنوز یہ رسم ختم نہ ہوئی تھی کہ ملکہ نے اپنی آغوش کھولدی اور آخرکار وہ اظہار شیفتگی جس کی ابتدا ملکہ کے ہاتھوں سے ہوئی تھی اس کے سینہ وگردن، شانہ ورخسار تک پہونچنے سے قبل ختم نہ ہوسکا۔

میکائیل نے انتہائی حزن و ملال کے ساتھ کہا، "کیا یہ صحیح ہے کہ ملکۂ عالم اب میری حاضری کو پسند نہیں فرماتیں اور قصر کے اندر میرا آنا شاق گزرتا ہے۔ اگر یہ غلط نہیں ہے تو کیا میں اس کا سبب معلوم کرسکتا ہوں، کیا مجھے بتایا جاسکتا ہے کہ عنایات شاہانہ میں یہ انقلاب کیوں پیدا ہوا"

تیودورا نے میکائیل کا سر اپنے ہاتھوں پر سنبھال کر کہا۔ "اے میکائیل، میرے دل میں تیری محبت بدستور قائم ہے، لیکن بعض دفعہ واقعات وحالات کچھ ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ انکا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔
تجھے معلوم ہے کہ اس قصر میں داخل ہونے سے قبل، سلطنت بازنطینی کی ملکہ بننے سے پہلے ہی میں تجھ سے

محبت کرتی تھی، اور ملکہ ہونے کے بعد بھی کوشش کر کے میں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں کہ تو آزادی کے ساتھ مجھ سے ملتا رہے، لیکن اب ایک حادثہ ایسا ہوا ہے کہ میں اپنے اور تیرے دونوں کے انجام سے ڈرنے لگی ہوں"

میکائیل۔ وہ کیا حادثہ ہے۔

ملکہ ——"چند دن ہوئے تیرا بھائی آیا اور مجھ سے ملنے کی درخواست کی۔ چونکہ اس کا نام بھی میکائیل ہے، اسلئے میں نے یہ سمجھکر کہ یہ تو ہی ہے اجازت دیدی"

میکائیل۔ (گھبرا کر) پھر کیا ہوا۔

ملکہ ——"اُس نے مجھ سے اظہار محبت کیا"

میکائیل ——"پھر"

ملکہ ——"میں نے اس سے کہا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ، لیکن اس نے جاتے ہوئے غضبناک ہو کر دھمکی دی اور کہا کہ میرے اور تیرے تعلق کو وہ تمام شہر میں مشتہر کریگا اور بادشاہ سے بھی جاکر کہیگا" اس لئے اس واقعہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تو اس وقت تک قصر میں آمد و رفت بند کر دے، جب تک ....

میکائیل "جب تک؟"

ملکہ ——"ہاں، جب تک کہ تیرا بھائی اس ارادہ سے باز نہ آجائے یا راستہ بالکل صاف نہ کر دیا جائے، میکائیل نے یہ سنا اور انتہائی غیظ کے عالم میں دیوانہ وار وہاں سے نکل کھڑا ہوا"

تیودورا کا باپ جانوروں کا ڈاکٹر تھا اور اس کی ماں کا نام کسی کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ کون تھی اور کیا تھی جب اس کا باپ مرگیا تو وہ بہت کمسن تھی، دنیا اُس پر تنگ ہوئی تو حصول معاش کے لئے اس نے وہ تمام ذرائع اختیار کئے جو ایک خانماں برباد حسین عورت اختیار کر سکتی ہے، وہ تماشہ گاہوں میں ناچتی تھی، ہوٹلوں میں جاکر گاتی تھی، سڑکوں پر، گلیوں میں اپنے پُرشباب اعضاء کی نمائش سے لوگوں کو لبھایا کرتی تھی — اسی زمانہ میں اسکے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے انجام سے ڈر کر اس نے اپنی آوارہ زندگی کو ترک کر کے ایک دکان قائم کرلی جہاں وہ عورتوں کے کپڑے وغیرہ سیا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کے ماضی کو بھلا دیا اور طبقۂ امراء کی عورتیں بھی اس کی دکان پر آنے جانے لگیں۔ اتفاق سے اسی دوران میں سلطنت کے ولی عہد (یوستی نیانوس) نے اسے دیکھ لیا اور بیتابی کے ساتھ مائل ہو گیا۔

ولی عہد کی نسبت کسی اور جگہ ہو چکی تھی اور اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بھی وہ تیودورا سے شادی نہ کر سکتا تھا جس کا ماضی اس قدر بدنام اور حال نہایت ادنیٰ درجہ کا تھا۔ لیکن ایک تو ولی عہد خود فطرتاً بہت آزاد طبع واقع

ہوا تھا، دوسرے اسی زمانہ میں جدید قانون کے رو سے شاہی خاندان کے افراد کو شادی کے مسئلہ میں پوری آزادی دیدیگئی اس لئے تخت نشین ہوتے ہی اس نے تیودورا سے نکاح کر لیا اور اسے بازنطینی سلطنت کا ملکہ بنا دیا ——

کچھ عرصہ تک تو جاہ و ثروت سلطنت و حکومت کے نشہ نے تیودورا کو مدہوش رکھا، لیکن جب وہ تھک گئی تو اسکو پھر اپنا وہی دور آزادی یاد آنے لگا اور تمام وہ جذبات جوانی جن کو واقعات نے افسردہ کر دیا تھا، پھر از سر نو تازہ ہو گئے چنانچہ اُس نے اپنے تمام قدیم عشاق کو آہستہ آہستہ بلانا شروع کیا اور چند دن میں قصر حکومت اچھا خاصہ معصیت گاہ بن گیا

اُنھیں عشاق میں دو بھائی میکائیل کبیر، و میکائیل صغیر بھی تھے، جو پوشیدہ طور پر ملکہ سے آکر ملا کرتے تھے، لیکن ایک کو دوسرے کی آمد کی اطلاع نہ ہوتی تھی - ایک دن چھوٹے میکائیل کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ ملکہ اس کے بڑے بھائی سے بھی ملتی ہے اور زیادہ التفات سے ملتی ہے - اس لئے وہ نہایت برہمی کے عالم میں ملکہ کے پاس گیا اور کہا کہ اگر میرے بھائی کی آمد و رفت یہاں بند نہ کی گئی تو میں یہ تمام راز دنیا پر افشا کر دونگا"

یہ سنکر ملکہ اس وقت تو خاموش ہو گئی لیکن اس نے فیصلہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کانٹے کو راستہ سے دور کرنا ہے -

---

ملکہ اپنے مخصوص کمرہ میں بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی ہے کہ خادمہ جو اس کے تمام رازوں سے آگاہ ہے، حاضر ہوتی ہے اور میکائیل کے آنے کی اطلاع دیتی ہے -

ملکہ چونک کر پوچھتی ہے "بڑا؟" اور پھر ملکہ کے چہرہ سے جواب کو پڑھکر مسکراتی ہوئی کہتی ہے "ہاں بلالاؤ میں تو اس کا انتظار ہی کر رہی تھی"

میکائیل آیا اور ملکہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہا کہ "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اس وقت تک مچھلیاں اس کے جسم کو کھا چکی ہونگی"

ملکہ نے گھبرا کر پوچھا "کیا واقعی تو نے اُسے قتل کر دیا"

میکائیل —— "ہاں قتل کر دیا، اور اس کے جسم کو دریا میں ڈالدیا"

"یہ سنکر ملکہ نے اپنی آغوش کھولدی اور دونوں کے لب ایک دوسرے سے مل گئے اس حال میں کہ ان سے مشتعل آگ کی سی حرارت پیدا ہو رہی تھی"

اس وقت کہ دونوں ریشم کے نرم نرم گدوں پر لیٹے ہوئے ہیجان نفس کی انتہائی کیفیات میں ڈوبے ہوئے تھے، ملکہ کی نگاہ میکائیل کی ہتھیلی پر پہونچگئی، اور اُس نے خیال کیا کہ اسپر خون کا دھبہ موجود ہے - اس کے بعد اس نے میکائیل کی دوسری ہتھیلی کو دیکھا، چہرہ کو دیکھا، گردن کو دیکھا اور ہر جگہ اُسے خون کے بڑے بڑے دھبے

نظر آنے لگے۔

اس وقت تک تیودورا خدا معلوم کتنے جرائم کی مرتکب ہو چکی تھی، لیکن یہ اس کی زندگی کا پہلا موقعہ تھا کہ اس کے ضمیر نے اس کے جرم کو اس طرح پیش کیا ہو۔ گزشتہ زندگی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے اس کے سامنے آرہے تھے اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی آواز اس کو ملامت کر رہی ہے اور اس کا دل کانپا جارہا ہے۔

کامل چھ ماہ گزر گئے ہیں کہ ہزاروں معمار باسفورس کے ساحل پر ایک عظیم الشان عمارت کی تکمیل میں رات دن مصروف نظر آتے ہیں۔ یہ عمارت ملکہ تیودورا کے حکم سے تعمیر ہو رہی ہے جس میں ۵۰۰ آدمیوں کے قیام کا انتظام کیا گیا ہے۔ جب وقت یہ تعمیر مکمل ہوگئی تو ملکہ نے تمام ملک میں اعلان کیا کہ جو عورتیں گناہوں سے تائب ہو کر عصمت و عفت کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں وہ آئیں اور اس عمارت میں قیام کریں۔ چنانچہ اس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسی عورتیں اس مکان میں جمع کرنا شروع کیں اور کوشش کرکے اُن کی شادیاں شرفاء شہر اور امراء دربار سے کردیں۔

اس عمارت کا نام اس نے "دار التوبہ" رکھا تھا اور اس کی نگرانی میکائیل کے سپرد تھی جو خود بھی تائب ہو کر مرتاضی زندگی بسر کرنے لگا تھا۔

بادشاہ یوستی نیانوس بازنطینی تخت حکومت پر ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک متمکن رہا لیکن اس ۳۸ سال کی مدت میں وہ اس راز سے بالکل ناواقف رہا کہ ملکہ نے دار التوبہ کیوں قائم کیا تھا۔

کیا آپ یہ کتابیں ملاحظہ فرما چکے ہیں؟

خواب و خیال ۔ جناب مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا مجموعہ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

مثنوی زہر عشق ۔ مرتبہ مجنوں گورکھپوری۔ جس میں ملک کے چار بہترین ادیبوں کا مقدمہ شامل ہے اور کئی تصویریں دی گئی ہیں ایک تصویر رنگین ہے سنہری جلد قیمت عہ (علاوہ محصول)

شوپنہار ۔ مجنوں گورکھپوری کی معرکۃ الآرا تصنیف فلسفہ شوپنہار کے متعلق مع تصویر شوپنہار قیمت عہ (علاوہ محصول)

تینوں کتابیں ایک ساتھ مع محصول چار روپیہ میں

منیجر نگار لکھنؤ

کیا سرد بازاری کا انسداد ممکن ہی؟

موجودہ سرد بازاری کی وجہ سے جو عالمگیر اضطراب رونما ہے اُس سے لوگ عاجز آگئے ہیں اور ہر شخص کو اس بات کی تمنا ہے کہ کسی طرح ہیئت اجتماعی کے اس وبائی مرض سے نجات مل سکے۔ سرد بازاری کے سخت ترین نتائج بے روزگاری کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں پر اثر پڑتا ہے انفرادی طور پر بے روزگاری اکثر المناک واقعات کا سبب بن جاتی ہے۔ اس سے افراد کی نشوونما رک جاتی ہے، اُن کے ہاتھ سے ترقی کے اچھے مواقع نکل جاتے ہیں۔ ناکامی اور مایوسی کے تلخ احساس سے غم و غصہ پیدا ہوتا ہے جس کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے۔ اجتماعی زندگی میں اس کی وجہ سے فسادات رونما ہوتے ہیں جو اخلاقی اور مادی دونوں قسم کے کثیر نقصانات کا سبب ہوتے ہیں۔ ان امور کو سامنے رکھتے ہوئے، حکمار اور مدبرین اس تلاش میں مصروف ہیں کہ ایسا طریقہ دریافت کیا جائے جس سے ترقی کی رفتار میں یکسانیت پیدا کی جا سکے۔ اب تک جس رفتار پر دنیا چلتی رہی وہ عجیب بے ڈھنگی وضع کی رہی ہے۔ اگر دنیا نے ایک وقت اچک کر تین قدم آگے بڑھائے ہیں تو اس کے فوراً بعد اُسے مجبوراً دو ایک قدم پیچھے ہٹنا پڑا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اگر ایک وقت "طلب" کی فراوانی ہے تو اس کے فوراً بعد "طلب" عنقا ہو جاتی ہے۔ لوگ مزدوروں کو علیحدہ کر دیتے ہیں، مشینیں بیکار پڑی رہتی ہیں، کارخانے اور دوکانیں بند ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ ہر طرف ابتری ہو جاتی ہے۔ "طلب" کا انحصار کل آبادی کی ضروریات پر ہے اور انھیں زیادہ تر مستقل حیثیت حاصل ہونا چاہیے۔ لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک وقت کم آبادی کی ضروریات، زیادہ آبادی کی ضروریات کے مقابلہ میں کثیر نظر آتی ہیں اور دوسرے وقت معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ دنیا کی کل آبادی معلوم کرنے کے بعد، اس کا اندازہ کرنا سہل ہے کہ دنیا کے رہنے والوں کو کس قدر غذا کپڑوں، مکانوں اور دیگر ضروری اور غیر ضروری اشیار کی طلب ہوگی۔ اس اندازہ میں تھوڑی بہت غلطی کی گنجائش ہے جس کی اصلاح بڑی حد تک، صورت حال کے نازک ہو جانے سے پیشتر کی جا سکتی ہے مگر بصورت مجموعی اس اندازہ پر کامیابی کے ساتھ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر مقصد محض فراہمی ضروریات ہو جائے تو مستقل "طلب" کے تعین کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ نہیں رہتا۔

رہا سوال ترقی علوم و فنون اور اضافہ اہلیت پیداوار کا جس سے "رسد" میں ترقی ہوتی ہے تو اگر اس اضافہ رسد کی غائت، نئی ضروریات پیدا کرنا اور پرانی ضروریات کو تکمیل کے ساتھ پورا کرنا ہے تو یہ بھی کچھ ایسا اہم سوال نہیں رہتا کیونکہ انسانی ضرورتوں کی وہ خصوصیت جسے "لچک" سے تعبیر کرتے ہیں، آسانی سے کثیر ترین پیداوار کو جذب کرنے کی قدرت رکھتی ہے، لہذا جہاں تک خالص ابتدائی نظریوں کا تعلق ہے "طلب" اور "رسد" کا توازن ایک نہایت آسان کام معلوم ہوتا ہے۔ اور دنیا کا ان کے عدم توازن کی وجہ سے سرگرداں نظر آنا ایک عالمگیر دماغی فتور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن صنعت کی موجودہ سرمایہ دارانہ تنظیم کی وجہ سے اس میں سخت عملی دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں جن کا سرسری بیان ہم ذیل کے صفحات میں کریں گے۔

یہ تو وہاں بھی جہاں بڑے پیمانہ پر کام نہیں ہوتا اور کاریگر اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنے گھر بیٹھے کام کرتے ہیں دیکھا گیا ہے کہ کبھی فرمائشوں کی بھرمار ہو جاتی ہے اور رات کے بارہ بارہ بجے تک کام کرنے کے بعد بھی کام ختم ہونے میں نہیں آتا اور لوگ اجرت اور قیمت بڑھا بڑھا کر کام کراتے ہیں اور کبھی ایک فرمائش بھی نام کو نہیں آتی۔ اور کاریگر یا دوکاندار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے اور کوئی اُسے نہیں پوچھتا۔ مگر یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کو زیادہ تر انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس کا اندازہ کرنا کہ آبادی کا کس قدر حصہ اس قسم کی سرد بازاری سے متاثر ہوتا ہے۔ آسان نہیں ہے۔ مگر جب اس کا مقابلہ اس صورت حال سے کیا جاتا ہے جو موجودہ تنظیم صنعت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو ہمیں فوراً بین فرق نظر آتا ہے۔

آج کل کاریگر اور اشیاء کے استعمال کرنے والوں میں براہ راست کوئی معاملہ طے نہیں پاتا۔ جو کاریگر بوٹ بنانے میں مصروف ہوتا ہے وہ صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ فیکٹری کا ملازم ہے۔ اُسے اس قدر اجرت پر ہر روز اس قدر گھنٹے کام کرنا ہے۔ وہ پورا بوٹ نہیں بناتا بلکہ بوٹ کے ایک جزو کو بناتا رہتا ہے۔ بوٹ کا وہ جزو جسے وہ بناتا ہے اُس کے پاس سے دوسرے کاریگر کے پاس چلا جاتا ہے جو اپنا کام کر کے اسیطرح کسی دوسرے شخص کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے کام میں مہارت ہے اور اسی سے سروکار ہے۔ پوری بوٹ سے مزدور کو کوئی مطلب نہیں۔ فیکٹری سے ہر ہفتہ ہزاروں بوٹ کے جوڑے بن کر نکلتے ہیں۔ یہ کبھی اندرون ملک فروخت ہوتے ہیں۔ کبھی بیرون ملک۔ مگر مزدور کو اس سے کوئی واسطہ نہیں اسے ہر روز کام اور اجرت چاہیے۔ لیکن چند باتیں ایسی ہیں جن سے مزدور متاثر ہوتا ہے اور جن کے اسباب سمجھنے کی وہ کوشش کرتا ہے مگر اس میں ناکام رہتا ہے مثلاً ایک دن اس سے کہا جاتا ہے کہ کتھیں اور ٹائم (Overtime) کام کرنا ہوگا۔ وہ نئے مزدوروں کو بھرتی ہوتے دیکھتا ہے۔ مشینوں کی تعداد میں بھی اُسے اضافہ نظر آتا ہے۔ فیکٹری کو بھی وسعت

دی جاتی ہے - اُسے خیال ہوتا ہے کہ آج کل خوب نفع ہے اور اپنی اُجرت کے نرخ میں اضافہ کے لئے درخواست دیتا ہے جو منظور کرلی جاتی ہے - کچھ عرصہ تک یہی ہوتا رہتا ہے -

اس کے بعد اوور ٹائم بند کردیا جاتا ہے - کچھ مزدور برطرف کردیئے جاتے ہیں مشینیں بیکار پڑی رہتی ہیں - اور زیادہ آدمی علیحدہ کئے جاتے ہیں - آجر مزدوروں سے کم شرح اُجرت قبول کرنے کے لئے کہتا ہے اور مزدور کبھی جھگڑا کرنے کے بعد اور کبھی ویسے ہی راضی ہوجاتے ہیں - لیکن پھر بھی مزدوروں کی تعداد میں تخفیف جاری رکھی جاتی ہے - انھیں شارٹ ٹائم (Short Time) کے لئے مجبور کیا جاتا ہے - قدرتی طور پر مزدور تمام الزام آجر کے سر رکھتے ہیں اور اُس تمام منافع کو یاد کرتے ہیں جو کارخانہ کو حاصل ہوا - وہ دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہم نے گذشتہ چند مہینوں میں اتنا سخت کام نہ کیا ہوتا تو آج بھی ہمارے کرنے کے لئے کام ہوتا - لیکن یہ بات وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قصور چاہے کسی کا رہا ہو، لیکن اس کا علاج ان کی قدرت سے باہر ہے اُن کی حیثیت پیداوار کی بڑی مشین میں محض شطرنج کے ایک مہرہ کی سی ہے - یہ سچ ہے کہ اسٹرائک کرکے وہ اس مشین کو روک سکتے ہیں مگر اس کا چلانا ان کے بس کی بات نہیں ہے -

اب آیئے ذرا آجر کے نقطۂ نگاہ سے معاملات کی صورت حال پر غور کریں - ایک روز تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ فرمائشیں اس قدر تیزی سے آرہی ہیں کہ ان کی تعمیل کرنے سے وہ معذور ہے - وہ اپنی قیمتیں بڑھا دیتا ہے - اپنی فیکٹری سے جو انتہائی پیداوار حاصل کی جاسکتی ہے حاصل کرتا ہے - اُجرتیں بڑھاتا ہے اور پھر بھی خوب منافع کماتا ہے جسے وہ اپنے حصہ داروں میں تقسیم کردیتا ہے - پھر وہ اپنے کارخانہ کو وسعت دینا چاہتا ہے - اپنے بنک کاروں Bankers) کو راضی دیکھ کر وہ نئی مشینری بنانے کے لئے فرمائش روانہ کردیتا ہے

پھر اتفاقیہ طور پر قبل اس کے کہ وہ محسوس کرسکے کہ ہو کیا رہا ہے نقشہ بدل جاتا ہے - نئی فرمائشیں آنا بند ہوجاتی ہیں، پُرانی فرمائشیں مسترد کردی جاتی ہیں اور سارا مال بھرا رہتا ہے - تھوڑے عرصہ کے لئے وہ اپنا کاروبار حسب معمول جاری رکھتا ہے - اور مال بھرنا شروع کرتا ہے - لیکن فوراً اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اُسکا روپیہ پھنستا جارہا ہے اور نکاسی اتنی نہیں ہورہی ہے جس سے اُجرت اور دیگر ضروری اخراجات پورے کئے جاسکیں - وہ اپنے بنک کاروں کے پاس جاتا ہے - ابتدا میں غالباً وہ اس کی امداد کرتے ہیں لیکن تھوڑے دنوں کے بعد اُس سے صاف صاف کہہ دیا جاتا ہے کہ اب اور زیادہ روپیہ فراہم کرنا ممکن نہیں ہے - اسلئے اب وہ اپنی قیمتیں کسی قدر گراتا ہے - اس اُمید میں کہ اس طرح وہ زائد مال کو فروخت کرسکیگا - لیکن اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ کام بہت دیر میں شروع کیا، کیونکہ اُس کے دوسرے حریف بھی یہی کررہے ہیں اور قیمتیں تیزی کے ساتھ گر رہی ہیں - وہ اس قدر تیزی سے اپنی اشیاء فروخت نہیں کرسکتا کہ جس سے اپنی ضروریات کے لئے وہ نقد حاصل

کر سکے۔ اور جب وہ اس میں ناکامیاب ہوتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اشیار نقصان کے ساتھ بنائی ہیں۔ اور وہ فوراً اپنا عملہ کم کرتا ہے اور تنخواہیں گھٹاتا ہے اس کے باوجود وہ اپنی مشکلات کو کم نہیں کر سکتا اور اپنے بنک کاروں پر سارا الزام رکھ دیتا ہے اور اپنے آپ کو یہ کہہ کر بری الذمہ قرار دیتا ہے کہ واقعات اور حالات کا جال کچھ اس طرح بچھا ہوا ہے کہ میرا ان کا مقابلہ کرنا بالکل بے سود ہے اور میں چاہے کسی قدر کوشش کیوں نہ کروں میرا کامیاب ہونا ناممکنات سے ہے۔

اَب اخیر میں بنک کاروں کی بپتا سنئے۔ جب تجارت کو فروغ ہوتا ہے وہ آجروں کو نئی مشینری خریدنے کیلئے روپیہ قرض دینے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس روپیہ کی ضمانت میں سرمایہ غیر منقولہ موجود ہے اور دوسرے انھیں اس کی ادائگی کا کامل یقین ہوتا ہے۔ اوور ڈرافٹ (Over draft) کے غیر معین اضافہ سے، وہ اس وجہ سے انکار کر دیتے ہیں[1] کہ انھیں اِس بات کا بھی کامل یقین ہوتا ہے کہ قیمتوں کی بڑھتی ہوئی رفتار میں جلد یا بہ دیر زوال شروع ہوگا اور اس وقت یہ قرضہ ناقابل وصول ہو جائیگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک بنک کار ایک وقت خاص میں اپنے پالیسی کے تعین میں تلون مزاجی سے کام لے اور اس کی وجہ سے اپنی پالیسی میں تبدیلی بلا کسی معقول سبب کے محض اپنے تخیل کی وہم پرستی کی بنا پر کر دے۔ لیکن ایسے بنک کار جو احتیاط سے کام نہیں لیتے ان کا انجام عموماً عبرتناک ہوتا ہے۔

تمام اشیار کی قیمتوں کی عام سطح میں جو تبدیلی ہوتی ہے وہ اکثر اوقات تجارت کی کمی و بیشی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ ہو تو تجارت کی کمی و بیشی خود اس کا نتیجہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ جنوری میں ایک کارخانہ دار اندازہ کرتا ہے کہ سو ٹن اشیار خام دس ہزار روپیہ کے معاوضہ میں خریدی جا سکتی ہیں اور یہ کہ آٹھ ہزار روپیہ مزید کے سرمایہ اور مزدوری کے استعمال سے یعنی کل اٹھارہ ہزار روپیہ کے صرف کے بعد وہ چھ مہینہ میں پچاس ٹن تیار شدہ مال بنا سکتا ہے، جس کی قیمت جنوری کی رائج الوقت شرح اشیار کے مطابق بیس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔

---

[1] ان ممالک میں جہاں بنکوں کے بنک ہوتے ہیں (جیسے انگلستان میں بنک آف انگلینڈ اور امریکہ میں فیڈرل رزرو بورڈ) پالیسی کی تبدیلی کا آغاز، سنٹرل بنکوں سے ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بنک ریٹ (Bank Rate) بڑھا دیا جائے یعنی اُس نرخ سود میں اضافہ کر دیا جائے جس پر بنک عمدہ ضمانت کے اطمینان و بھروسہ پر روپیہ قرض دیتے ہیں اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ اولاً سنٹرل بنک کے پاس جو سونے کا ذخیرہ ہے وہ کم نہ ہونے پائے اور ثانیاً اس لئے تاکہ بنک کرنسی کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے مجبور نہ ہو جائے

اب اگر جنوری اور جولائی کے درمیان قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو اس کو منافع دو ہزار روپیہ کا ہوگا اگر ان میں سے دس فیصدی کا اضافہ ہوجائے تو اُسے ۲۲ ہزار روپیہ ملیں گے۔ جس میں اس کا نفع ۴ ہزار روپیہ یعنی دوگنا ہوجائیگا۔ اگر قیمتیں دس فیصدی گر جائیں تو وہ صرف ۱۸ ہزار روپیہ میں اپنی اشیاء فروخت کر سکیگا۔ اور اسے منافع کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ اگر ان چھ مہینوں میں قیمتیں دس فیصدی سے زیادہ گر جائیں گی تو اُسے خسارہ رہیگا۔ اس خسارہ کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مزدوروں کو کارخانہ دار کو ایک مقررہ نرخ سے اُجرت ادا کرنا پڑتی ہے۔ تمام اخراجات ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ اس کا نفع ہوتا ہے۔ اسی لئے آجر قیمتوں کی تبدیلی کا بہت جلد اثر قبول کرتے ہیں۔ اور اگر اُنھیں اس کا خیال ہوجائے کہ قیمتیں گرنے والی ہیں تو وہ اپنی پیداوار کم کر دیتے ہیں۔

واقعات کا یہ تسلسل جو اوپر بیان کیا گیا ابتداءً یں ہو سکتا ہے کہ صرف ایک صنعت تک محدود رہے لیکن اکثر ایک ملک کی متعدد صنعتوں میں یہ بیک وقت کام کرتا ہے۔ جب تجارت کو فروغ ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ آج کل گرم بازاری (Boom) ہے اور جب اس کو زوال ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ آج کل سرد بازاری (Slump) ہے۔ اور گرم بازاری کی علامات یہ ہوتی ہیں کہ "طلب" "رسد" سے زیادہ ہوتی ہے۔ تیار شدہ مال کے ذخیرہ کم ہوتے ہیں۔ قیمتیں چڑھتی ہوتی ہیں۔ پیداوار شدومد سے جاری رہتی ہے۔ اجرتیں بڑھتی رہتی ہیں۔ منافع کثیر ہوتا ہے۔

سرد بازاری کے علامات یہ ہوتی ہیں کہ "رسد" "طلب" سے زیادہ ہوتی ہے۔ تیار شدہ مال کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ قیمتیں گرتی ہوتی ہیں بے روزگاری ہوتی ہے۔ اُجرتوں میں تخفیف کی جاتی ہے منافع میں کمی ہوتی ہے بلکہ اکثر نقصانات ہوتے ہیں۔ ان سب حالات کا آپس میں ایک دوسرے پر بھی اثر ہوتا رہتا ہے اور سب مل کر صورت حال کو بہتر یا بدتر بناتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح تجارت کی گرم بازاری کے ایام میں اجرت اور منافع دونوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے جس سے لوگوں کی جیبیں روپیوں سے بھر جاتی ہیں اور وہ دل کھولکر خرچ کرتے ہیں جس سے تجارت کو اور زیادہ فروغ ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے سرد بازاری کے دنوں میں نفع اور اُجرت میں کمی ہوتی ہے بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے خرچ کرنے کے لئے روپیہ کم ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے تجارت میں اور زیادہ ابتری اور بے روزگاری میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے۔

مخصوص آفات مثلاً جنگ یا قحط سے قطع نظر کر کے جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بے روزگاری کا سب سے بڑا سبب ترقی تجارت کی بے ترتیبی ہے جس کی بنا پر گرم بازاری اور سرد بازاری یکے بعد دیگرے ظاہر

ہوتی رہتی ہیں۔

اگرچہ بے روزگاری کے پیدا ہو جانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ اُس کے ازالہ کی صورتیں دریافت کی جائیں۔ مگر اس سے بھی زیادہ اہم سوال اجتماعی نقطۂ نگاہ سے یہ ہے کہ اس مسئلہ پر غور کیا جائے کہ آیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے اسباب کو ایسی بلند تر اور دور رس تدبیروں سے فنا کر دیا جائے جن کی بنیاد پر صنعت و تجارت کی مشین یکساں رفتار کے ساتھ گردش کر سکے۔

اس کے متعلق جو تجویزیں ہیں اُن کو چار خاص عنوانوں کے ماتحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اعتباری قرض کی عناں گیری۔

(۲) سرکاری کاروبار میں ضرورت کے مطابق اضافہ اور کمی۔

(۳) قیمتوں کا تعین۔

(۴) موجودہ طریقہ تنظیم صنعت میں انقلاب۔

(۱) ۔موجودہ زمانہ کا کاروبار زیادہ تر اعتباری قرض کی بنیاد پر قائم ہے جس کی وجہ سے ایک آجر اور تاجر اپنے ذاتی سرمایہ سے کہیں زیادہ کا لین دین کر سکتا ہے۔ اس اعتباری قرض کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس بنک سے کسی آجر یا دوکاندار کا لین دین ہوتا ہے وہ اُسے اس کے ساکھ کی بنیاد پر اپنے جمع شدہ نقد روپیہ سے زیادہ کے چک ایک معین شرح سود کے ساتھ جاری کرنے کی اجازت دیتا ہے جس کے لئے اصطلاحی نام اوور ڈرافٹ (Over Draft) ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے "گرم بازاری" کے اختتام اور "سرد بازاری" کی ابتدا کا فوری سبب یہ ہوتا ہے کہ بنک کار اوور ڈرافٹ کی اجازت دینا بند کر دیتے ہیں۔

قدرتی طور پر بنک کاروں پر تمام الزام رکھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر بنک کار اپنی پالیسی بدل دیں تو خوشحالی اور گرم بازاری میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ لیکن ان کی طرف سے جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بنک کار ہوا کا رُخ دیکھ کر اوور ڈرافٹ سے انکار کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے فرض کو انجام دینے میں کوتاہی کریں تو اُس سے بھی زیادہ سخت بحرانی دور سے ہیئت اجتماعی کو گزرنا پڑے

ایک مثال سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی۔ جنگ کے بعد، امریکہ میں آجروں نے اس قدر تیزی سے اشیاء بنانا شروع کیں کہ اشیاء کی اُن قیمتوں پر جو ان کے معاوضہ میں طلب کی جاتی تھیں، کھپت اندرونی اور بیرونی دونوں منڈیوں میں غیر ممکن نظر آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اشیاء مصنوعہ کے انبار لگانا شروع کر دیئے حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء کے آخری دنوں میں بحر اٹلانٹک کے آس پاس سیکڑوں میل تک کوئی گودام ایسا باقی نہ رہا جسے اشیاء سے لبالب نہ بھر دیا گیا ہو۔ اس تمام عرصہ میں ان اشیاء مصنوعہ کی ساکھ پر بنک

اعتباری قرضہ دیتے رہے اور اس اعتباری قرضہ کی طفیل میں صناعوں نے اپنا کام جاری رکھا - آخر یہ ہوا کہ بنکوں نے مزید قرضہ دینے سے انکار کر دیا[1] - اور اعتبار کا قصر عالی شان مسمار ہونا شروع ہو گیا - قیمتیں نہایت تیزی سے یکقلم گر گئیں اور تجارت میں عام کساد بازاری رونما ہو گئی اور ہیبت ناک بے روزگاری نظر آنے لگی - اگر بنکوں نے اس کام کو کچھ عرصہ اور جاری رکھا ہوتا تو فرق صرف اس قدر ہوتا کہ اس مسماری میں تھوڑا توقف ہو جاتا - لیکن اسکے بُرے نتائج میں اضافہ ہو جاتا - کیونکہ ایسی اشیار کے بنانے کا کام جن کی بازار میں ایک خاص قیمت کے ساتھ کھپت نہیں ہو سکتی ایک غیر معین مدت تک جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا -

اسی طرح مسلسل توسیع اعتبار کے جو اور دیگر تجویزیں ہیں ان کا بھی اسی قسم کی دلیلوں سے جواب دیا جا سکتا ہے - اس قسم کی ایک تجویز خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے - اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ جس قدر اشیار بازار میں فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہیں ان کے مقابلہ میں اہلیت خریدیعنی آمدنی بصورت نقد لوگوں کے پاس نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہ ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمام اشیار کیوں نہ فروخت ہو جائیں اس لئے تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ ایک سرکاری بنک نئے اعتباری قرض کی مسلسل توسیع کے ذریعہ سے لوگوں کی قابل خرچ آمدنیوں میں اضافہ کرتا رہے - مگر اس کی مخالفت میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکوں کی تعداد برابر بڑھتی جائے گی جس کی وجہ سے قیمتوں میں ایک عام اور مسلسل اضافہ ہوتا رہیگا اور سکہ کی قوت خرید برابر گھٹتی رہیگی اور آجر و مزدور میں واقعی اجرت کو قائم رکھنے کے لئے مستقل جنگ جاری رہیگی - تجویز کی تائید میں جواب کے طور پر میجر ڈگلس (Major Douglas.) جو اس اسکیم کے مصنف ہیں جواب دیتے ہیں کہ قیمتوں کو قانونی طور پر بڑھنے سے روکا جائیگا - اور انھیں مساوی سطح پر رکھا جائیگا - اس کے جواب الجواب میں معترضین کہتے ہیں کہ اس قسم کے قوانین کام نہ دے سکیں گے - کیونکہ اقتصادی قوانین، سیاسی قوانین کے مقابلہ میں ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں -

ایک دوسری تجویز یہ ہے کہ میونسپلٹیوں کو نوٹ جاری کرنے کا حق دے دیا جائے (یہ وائی گن کی تجویز "Wigam proposal" کے نام سے موسوم ہے) اور وہ ان نوٹوں کے ذریعہ سے کاروبار شروع کرے، اس تجویز کی مخالفت میں کہا جاتا ہے کہ اگر ان نوٹوں کو تمام ملک کا قانونی سکہ قرار نہیں دیا گیا تو یہ بیکار ثابت ہوں گے اور اگر انہیں قانونی سکہ بنا دیا گیا تو ملک کے سکوں میں اضافہ ہو کر وہی تمام حالات رونما ہوں گے جن کی

---

[1] اس کا سبب یہ ہوا کہ فیڈرل رزرو بورڈ نے اپنی شرح سود گراں کر دی جو گویا اس بات کی تنبیہ تھی کہ صورت حال قابل اطمینان نہیں ہے اور ہوشیاری اور احتیاط کی ضرورت ہے

تردید میں اوپر دلیلیں پیش کی جاچکی ہیں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ تجارت میں ترتیب و یکسانی پیدا کرنے کا یہ طریقہ ہونا چاہئے کہ اعتباری قرضہ اُسی وقت بند کر دیا جائے جیسے ہی تیار شدہ اشیاء کے ذخیروں میں ذرا بھی اضافہ نظر آئے۔ موجودہ صورت حال میں اور اس میں فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس وقت غیر ضروری مدت تک اس بات کا انتظار کر کے کہ ذخیرے واقعی بہت کثیر ہوگئے ہیں معاملات کو نازک کر دیا جاتا ہے اور اُس صورت میں ایسا نہ کیا جائیگا۔ اسی طرح ذخیروں کی کمی کی صورت میں فوراً پیداوار میں اضافہ شروع کر دیا جائیگا۔ اس طرح "گرم بازاری" کے انتہائی عروج اور "سرد بازاری" کے انتہائی زوال دونوں سے نجات ملے گی۔ اس پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ہر چند یہ اسکیم جہاں تک نظریہ کا تعلق ہے موجودہ نظام کے حامیوں کے لئے بہت بڑی حد تک قابل قبول ہوگی مگر اس میں عملی دشواریاں جس قدر ہیں ان سے عہدہ برآں ہونا بہت مشکل ہے۔ اول تو بنکوں کے ذاتی اغراض و منافع سے اس تجویز کا تصادم یقینی ہے۔ مگر ان سب سے زیادہ اہم جو سوال ہے وہ یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ کس وقت اصلاحی کارروائی شروع کرنے کی ضرورت ہے ایک ایسی غیر معمولی قوت فیصلہ کی ضرورت ہے جو آج کل کے انسانوں میں نظر نہیں آتی۔

اس میں شک نہیں کہ اس کام میں کسی قدر سہولت پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر حکومتیں مقررہ میعاد کے بعد متعلقہ فریقین سے پیداوار، فروخت، تیار شدہ اور نصف تیار شدہ اشیاء کے ذخیرے اندرونی اور بیرونی موجودہ فرمایشوں اور دیگر متعلقہ معاملات کی بابت نقشے طلب کرنے شروع کر دیں اور بنک ان اطلاعات کی بنیاد پر اپنی پالیسی کا تعین کرنے لگیں اور اسی کے مطابق اعتباری قرضے کو گھٹاتے بڑھاتے رہیں۔ اس سے خود صناعوں کو بھی بڑا فایدہ ہوگا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ آسانی سے یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ کب اُنھیں قیمتیں گھٹانے اور پیداوار کم کرنا چاہئے۔ اور آج کل کی طرح بے کار انتظار کر کے قیمتی وقت ضائع نہ کریں گے۔

(۲) اعتباری قرضہ کی عنان گیری کی تجاویز کے بعد اب ہم دوسری تجویز یعنی سرکاری کاروبار میں ضرورت کے مطابق اضافہ اور کمی سے بحث کرتے ہیں۔ اس تجویز کی اہمیت اور ضرورت سرد بازاری کے پیدا ہوجانے کے بعد بالکل مسلم ہوجاتی ہے۔ لیکن سرد بازاری کے مستقل ازالہ کے لئے اس علاج کو تسلیم کرنے میں بہت سے لوگوں کو تامل ہوگا۔ بہرحال تجویز کی نوعیت یہ ہے کہ خوشحالی کے ایام میں بہت سے سرکاری کاروبار کو مثلاً عمارت سازی وغیرہ وغیرہ کو سرد بازاری کے خیال سے ملتوی رکھنا چاہئے۔ لیکن جیسے ہی روزگار میں کمی نظر آئے اُن کاموں کو شروع کر دینا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ سرد بازاری کی تکالیف اور بے روزگاری کی مصیبتوں کے کم کرنے میں یہ طریقہ کار بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے لیکن اس سے زیادہ اس تجویز کو اہمیت دینا جائز

نہیں ہو سکتا۔

(۳) تیسری تجویز قیمتوں کے تعین سے متعلق ہے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں قیمتوں کی عام سطح کی تبدیلی بھی اکثر "گرم بازاری" اور "سرد بازاری" کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس لئے اگر قیمتوں کا تعین کسی طرح ممکن ہو تو صناعوں کی ایک بہت بڑے اندیشہ کا ازالہ ہو جائے۔ اور پھر نہ تو ایک وقت پر اندھے پن سے پیداوار کی بھرمار کی جائے اور نہ دوسرے وقت پیداوار قریب قریب بالکل بند کی جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کا مستقل تعین ممکن ہے۔

پہلی نظر میں اس سے زیادہ آسان کام کوئی دوسرا معلوم ہی نہیں ہوتا۔ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کر دیجئے یا ایک آرڈیننس جاری کر دیجئے کہ گیہوں، گوشت، گھی، ایندھن کی قیمت ہمیشہ کے لئے اس قدر فی سیر مقرر کر دی گئی ہے اور معاملہ ختم ہو جائیگا۔ لیکن اقتصادی قوانین کی گرفت حکومت کے قوانین سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اور انھیں بغاوت کا الزام لگا کر شہر بدر نہیں کیا جا سکتا۔ اور اقتصادی قوانین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "طلب" اور "رسد" اشیاء کی قیمتوں اور ان مقداروں کا تعین کرتی ہیں جو بازار میں فروخت کی جا سکتی ہیں۔ اگر قیمتیں من مانی طریقہ پر مقرر کر دی گئیں تو پھر اشیاء کی "طلب" اور "رسد" میں توازن باقی نہیں رہیگا۔ چنانچہ جنگ کے ابتدائی سالوں میں یہی صورت حال نمودار ہوئی۔ سیاسیئین نے جنھیں اقتصادیات کے اصول سے پوری واقفیت نہ تھی قیمتوں کے مقرر کر دینے کی کوشش کی۔ بعض ممالک میں قوانین کی گرفت سے بچنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن انگلستان میں عام طور پر قوانین کی پابندی کی گئی۔ لیکن گورنمنٹ کو اشیاء کی تقسیم کے لئے ڈپو (Depot) بنانے پڑے کیونکہ جس قدر اشیاء فروخت کے لئے پیش کی جاتی تھیں ان سے زیادہ کی طلب ہوتی تھی۔ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ اشیاء کی قیمتیں اقتصادی نرخ سے کم تھیں۔ اگر وہ اس نرخ سے زیادہ ہوتیں تو اس صورت میں "رسد" کی اس قدر کثرت ہوتی کہ منڈی میں تمام انبار لگ جاتے۔

اپنی پالیسی کے اس نتیجہ کو دیکھ کر مدبرین نے یہ کوشش کی کہ راشن کی پالیسی (Rationing) یعنی اشیاء کی ایک مقررہ مقدار مہیا کرنے کا اصول اختیار کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے تاجروں اور جہاز کے مالکوں کے نام فرمائشیں روانہ کر دیں۔ اس طرح ایک حد تک انھیں قیمتوں کے مقرر کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ زمانہ جنگ کا تھا لیکن امن کے زمانہ میں بھی اصول کا جہاں تک تعلق ہے اس پالیسی پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بڑے پیمانے پر راشن کے طریقہ پر عمل کرنے سے انفرادی آزادی پر اس قدر پابندیاں عائد کرنا پڑتی ہیں کہ جنھیں ایک آزاد قوم الا اس صورت کے کہ اس کے علاوہ کوئی

چارہ کار ہی نظر نہ آئے اختیار کرنے پر رضامند نہیں ہو سکتی۔

انفرادی طور پر ہر شے کی قیمت کے تعین کا اور دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ قیمتوں کی عام سطح کو خالص مالیاتی (   ) ذرائع سے یکساں رکھا جائے۔ جنگ سے پہلے انگلش ساورن ایک مقررہ وزن کا سونے کا سکہ ہوتا تھا۔ پانچ پونڈ کا نوٹ ایک کاغذ کا پرزہ ہوتا تھا جسکے معاوضہ میں بنک اس مقررہ وزن کا پانچ گنا سونا دیا کرتا تھا۔ آج کل عام طور پر ایک پاؤنڈ کے نوٹ کو بنک جاکر سونے میں منتقل نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ایسا ہونا ممکن ہے اسوقت یہ سوال در پیش ہو سکتا ہے کہ آیا اس ایک پاؤنڈ کے نوٹ کے معاوضہ میں ایک مقررہ وزن کا سونا دیا جائے یا اس قدر سونا دیا جائے جس کا وزن ماہ بماہ اتنا ہو جس سے چند مفید اشیاء کی مقررہ مقداریں خریدی جا سکیں۔ مثال سے اس بات کی وضاحت ہو جائیگی۔ یعنی ایک پاؤنڈ کے نوٹ کے معاوضہ میں اس قدر سونا دیا جائے جس سے ایک پونڈ چائے بیس پونڈ ڈبل روٹی، چار پونڈ شکر، نصف پونڈ مکھن اور کچھ کپڑا خریدا جا سکے۔ اس کا تعین بظاہر بہت پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ماہر اقتصادیات جانتے ہیں کہ اگر قیمتوں کے انڈکس (Index Number) کا استعمال کیا جائے تو اس اسکیم میں کوئی بڑی اصولی یا عملی دشواری پیش نہیں آئیگی۔ اس اسکیم کی تصنیف کا شرف ہل یونیورسٹی (Yal University) کے پروفیسر ارونگ فشر (Irving Fisher) کو حاصل ہے اور اسی کا نام (The Compensated Dollar) ہے اسی مسئلہ کی موافقت اور مخالفت میں بہت سے دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں جن کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جا سکے تو اس کی وجہ سے "گرم بازاری" اور "سرد بازاری" کے ایک بڑے سبب کا سد باب ہو جائے۔

(۴) سب سے آخر میں ہم ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ بے روزگاری کے دورے کا مکمل ازالہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ موجودہ صنعتی نظام کو بالکل بدل دیا جائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب تک پیداوار کی غایت چند افراد کی ذاتی منفعت رہیگی اس وقت تک اس قسم کا عروج و زوال صنعت و تجارت میں برابر نمایاں رہیگا۔ اور بعض اوقات آجروں کی دولتمندی کا بھی سبب ہوگا۔ خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے کہ بے روزگاری کی مصیبتوں سے ہر حال میں وہ اکثر و بیشتر محفوظ رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کے مقابلہ میں پیداوار کا کام جماعت، اپنی مجموعی منفعت کو پیش نظر رکھ کر اختیار کرے گی تو ایسی کوئی صورت حال کے پیدا ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہے گا جس میں منڈیاں زائد سامان سے لبریز نظر آئیں گی۔ کیونکہ ہر چیز اسی قدر تیزی سے جس قدر تیزی سے کہ وہ طیار کی جائے گی تقسیم کر دی جائے گی۔ اور مرضی یا بلا مرضی کی بے روزگاری

کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص قومی پیداوار کے اضافہ میں مصروف نظر آئے گا تاکہ اپنے اور اپنے رفقاء کے حصۂ رسد میں بیشی پیدا کر سکے۔

اس طریقہ استدلال کے مخالفین تین اعتراضات پیش کرتے ہیں اولاً ان کا کہنا یہ ہے کہ اس قسم کی قوم کو بھی برآمد اور درآمد کی ضرورت ہوگی اور اس لئے برآمد کی تجارت کو پھر بھی منفعت کے اصول پر چلانے کی ضرورت باقی رہیگی۔ دوسرے ان کا یہ کہنا ہے کہ بہت سے مرد اور عورتوں کو کام کرنے کے لئے اُبھارنے کے واسطے ذاتی اغراض کا لالچ دینا ضروری ہوتا ہے۔ تیسرے اُن کا یہ کہنا ہے کہ صنعت و تجارت اُس بندش سے آزاد ہو جائیں گے جس کی وجہ سے آج وہ صرف انھیں راہوں پر گامزن نظر آتے ہیں۔ جن میں زیادہ سے زیادہ منفعت کی توقع کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام تجاویز، اسی مسئلہ کے حل کی انتہائی شکلوں کو پیش کرتی ہیں جن کے متعلق شدید سیاسی مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ دیگر اور لاتعداد تجاویز ہیں جن میں انتہاپسندی سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اور زاویہ ہائے نگاہ کے مختلف مدارج میں مصالحت کی کوشش کی گئی ہے۔ صنعت و تجارت کی تنظیم آج کل کثیر التعداد طریقوں سے ہوتی ہے، کہیں پرانی وضع کا دستی کاریگر دنیا سے الگ تھلگ اشیا بناتا نظر آتا ہے۔ کہیں سابقت و مقابلہ کی وہ انتہائی صورتیں نظر آتی ہیں جن سے فریقین تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ کہیں مکمل و غیر مکمل اجارے دکھائی دیتے ہیں تو کہیں امداد باہمی کے اصول پر تنظیم کی جاتی ہے۔ کہیں تجارت و صنعت کے نظم و انتظام کی ذمہ داری میونسپلیٹی پر عائد کی جاتی ہے تو کہیں کل قوم پر۔ اور بعض صورتوں میں یہ تنظیم بین الاقوامی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے۔ یہ تمام مختلف النوع طریقے بیک وقت پائے جاتے ہیں اور انکا مطالعہ اور مقابلہ ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔

ترقی و تہذیب کے امکانات کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اگر ایک طریقہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر رہا تو دوسرے طریقہ کا امتحان کیا جائے گا۔ تاکہ اگر وہ کامیاب ہو تو اُسے ہی اختیار کیا جائے

اب تک ہم نے اس مسئلہ پر، زیادہ تر قومی نقطہ نگاہ سے بحث کی۔ لیکن موجودہ سرد بازاری کی ہمہ گیری اور وسعت کو دیکھتے ہوئے اب غالباً اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آج کل اسی مسئلہ کو زیادہ تر بین الاقوامی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ مگر پھر بھی قوم پرست سیاسیئن ابھی تک اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ایک قوم چند ایسی اقوام کے درمیان رہ کر جو مفلس اور مقروض ہو گئی ہیں خوشحال رہ سکتی ہے۔ یورپ ابھی تک گذشتہ جنگ عظیم کے مصائب سے گلو خلاصی حاصل نہیں کر سکا ہے ایک عام بے امنی اور بے اعتباری کی کیفیت بین الاقوامی تعلقات

میں نظر آتی ہے۔ کوئی ملک اپنے مالیہ کے توازن قائم رکھنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا ہے، مشرقی یورپ کی نئی اقوام، اسٹریا اور جرمنی، سب دیوالیہ سے قریب تر نظر آتی ہیں۔ انگلینڈ کے مالیاتی نظام کی بنیادیں کئی بار ہل چکی ہیں۔ تاوان اور قرضہ ہائے جنگ کے مسئلہ کا کوئی حل نظر ہی نہیں آتا۔

صورت حال، امتناعی محاصل کی وجہ سے اور زیادہ نازک ہو گئی ہے۔ ہر قوم کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ برآمد کو ترقی دی جائے۔ اور درآمد کو روکا جائے اور اس بدیہی حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ برآمد کی ادائیگی کے لئے بہر حال درآمد ضروری ہے۔ محض محاصل کی وجہ سے اس قدر ابتری پیدا نہیں ہوتی جتنی کہ محاصل کی مستقل ردو بدل سے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے کبھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل میں بازار کا کیا رنگ ہونے والا ہے اور آجر دصناع برآمد کی تجارت کے لئے نہ اشیاء پیدا کر سکتے ہیں اور نہ وہ اخراجات برداشت کر سکتے ہیں جو اس کام کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

علاج اس کا بظاہر سہل نظر آتا ہے مگر ایسی حالت میں جب کہ ہر قوم اس بات کی تو ضرور متمنی ہے کہ کسی طرح اس کے ہمسایہ اپنے امتناعی محاصل کو کم کر دیں مگر خود اپنے محاصل کو کم کرنے سے اس یقین کی بناء پر گریز کرتی ہے کہ اُسے ان سے بہت فوائد حاصل ہیں اس علاج کا امکان ذرا مشکل نظر آتا ہے۔ سیکڑوں بین الاقوامی کانفرنسیں اور مشاورتی جلسے ان مسائل کے حل کے لئے منعقد کئے جا چکے ہیں۔ جن میں بین الاقوامی قرضوں بین الاقوامی امتناعی محاصل اور قوموں کے فوجی اخراجات کے متعلق خوب خوب گفت و شنید کی جا چکی ہے۔ مگر نتیجہ کے لحاظ سے سب بے سود رہے۔

مسٹر لائڈ جارج نے حال ہی میں صحافیوں کی ایک مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے دنیا کی موجودہ صورت حال اور مدبرین کی افسوسناک ناکامی کا ماتم کیا اور دس سال سے برابر جو مختلف کانفرنسیں اور جلسے ہو رہے ہیں اور جن نیک تمناؤں، آرزوؤں اور تجاویز کا اظہار کیا جا رہا ہے اُن کی بے بسی اور بے اثری کا پوری طرح خاکہ اڑایا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر قوم یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ دنیا کی موجودہ مشکلات کے حل کا کیا طریقہ ہے لیکن اس طریقہ پر عمل کرنے کے لئے جس ایثار کی ضرورت ہے اُسکا نہ اسے حوصلہ ہے اور نہ ہمت۔ معاملات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور صورت حال روز بروز نازک ہو رہی ہے لیکن خود غرضی اور ذاتی منفعت کے مہلک جذبات انہیں اجتماعی منفعت کے طریقوں پر عمل کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ بنی نوع انسان کے بہی خواہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے افراد اور اقوام میں جو بہیمیت اور درندہ صفتی کے آثار باقی ہیں اُنہیں فنا کریں کیونکہ بغیر اس کے کسی معقول تجویز کی کامیابی کا امکان پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

محمد عاقل ایم۔ اے (علیگ)

افیونی

افیون تو ایک ایسی چیز ہے جس کو اپنے اثرات کے اعتبار سے ایک بنگالی اور ایک بھوٹانی، ایک پنجابی اور ایک آسامی کے لئے یکساں ہونا چاہئے لیکن اس سلسلہ میں لکھنؤ نے جو شہرت حاصل کی ہے وہ شاید دنیا کے کسی حصہ کو نصیب نہیں ہوئی، بظاہر یہ خصوصیت عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ لوگ جو افیونیوں کو بھی دیکھ چکے ہیں اور اہل لکھنؤ سے بھی ملے ہیں اس خصوصیت کی وجہ جانتے ہوں گے کہ "لکھنویت" اور "افیونیت" دونوں اس حد تک متصل ہیں کہ ایک اجنبی کو ایک پر دوسرے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ افیونیوں میں خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ کے رہنے والے ہوں قدرتی طور پر بہت سی ادائیں ایسی پیدا ہو جاتی ہیں جو اہل لکھنؤ کے لئے مخصوص ہیں اور لکھنؤ کے اس باشندے میں بھی افیونی کی سی شان ہوتی ہے جس بیچارے نے کبھی افیون کی صورت بھی نہ دیکھی ہو خدا جانے اس مماثلت کی کیا وجہ ہے لیکن آپ کو چاہئے کہ ہمارے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے کسی ایسے لکھنوی سے ملئے جو افیونی نہ ہو اور پھر اس کا مطالعہ اس نظر سے کیجئے کہ اس میں "افیونیت" ہے یا نہیں تو آپ کو ہمارے بیان کی تائید کرنا پڑے گی اسی طرح آپ کسی فرنگی افیونی کو دیکھئے تو وہ باوجود اپنی ملکی وحشت کے آپ کو اپنی خاص کیفیت میں بہت بڑی حد تک لکھنوی نظر آئے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افیون کے استعمال کے بعد انسان اس حد تک شائستہ ہو جاتا ہے کہ اس پر لکھنوی ہونے کا شبہ کیا جائے ورنہ اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ اہل لکھنؤ نے شائستگی افیونیوں سے لی ہے بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ کچھ "حساب دوستاں در دل" والا قصہ معلوم ہوتا ہے۔

لکھنؤ کے افیونیوں کے متعلق ہم نے اس قدر روایتیں سنیں کہ آخر ہم کو کسی لکھنوی افیونی سے ملنے کا شوق پیدا ہوا لیکن جب اس شوق کی تکمیل نہ ہوئی تو اس نے رفتہ رفتہ آرزو کی صورت اختیار کر لی، ہمارا یہ شوق غالباً بیجا بھی نہ تھا ذرا تصور تو فرمائیے کہ ایک تو افیونی اور پھر لکھنوی یہ دونوں خصوصیات اپنی اپنی جگہ پر تاریخی حیثیت رکھتی ہیں لیکن جب وہ ایک ہی ہستی میں جمع ہو جائیں تو وہ ہستی ہوگی یا قیامت؟ ایک تو کریلا اور پھر نیم چڑھا۔ مختصر یہ کہ ہم خدا کی اس عجیب و غریب صنعت کو دیکھنے کے لئے بیچین تھے لیکن اب نہ تو وہ لکھنؤ رہ گیا ہے اور نہ اس کی وہ روایتی خصوصیات باقی ہیں لیکن خداوند کریم تو بڑا مسبب الاسباب ہے اُس نے ہماری جستجو کو ناکام نہ رہنے دیا اور ہم کو بہت جلد میر صاحب سے شرف نیاز حاصل ہو گیا۔

میر صاحب اپنے کو شاہی خاندان سے متعلق بتاتے تھے اور اس کا ثبوت پندرہ روپیہ ماہوار کا وثیقہ تھا جو ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو بغیر کسی دقت کے برابر مل رہا تھا آپ نہ صرف خالص لکھنوی تھے بلکہ نجیب الطرفین افیونی بھی تھے اور اپنی جماعت میں اس خصوصیت کے اعتبار سے اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے گھر کے اکیلے تھے بیوی بچے تو خیر ایک سرے سے تھے ہی نہیں لیکن ان کے علاوہ نزدیک یا دور کے کسی عزیز کا پتہ نہ چلتا تھا ان کو بیوی بچوں اور عزیزوں کا لطف اپنی افیون ہی سے حاصل تھا اور وہ اپنے کو افیون کے لئے مٹائے ہوئے تھے۔ اس وقت انکی عمر تقریباً پچاس بلکہ اس سے بھی کم ہوگی لیکن افیون نے ان کو قبل از وقت پٹاری کا انگور بنا دیا تھا اس کے علاوہ انکی عام صحت کا یہ حال تھا کہ اگر وہ افیون کے عادی نہ ہوتے تو ان کی موت یقیناً تپ دق سے واقع ہوتی مگر اب بھی وہ غریب کھانسی، دمہ اور قبض وغیرہ سے ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ توانائی کا یہ حال تھا کہ اگر میڈیکل کالج کے طلباء ان کو دیکھ پاتے تو اس زندہ انسانی ڈھانچے کو کبھی نہ چھوڑتے اور اپنے کالج کے میوزیم میں مطالعہ کرنے کے لئے یقیناً بند کر دیتے۔ شکل وصورت کا تو ذکر ہی کیا ضعیفی میں انسان خوبصورت تو نہیں البتہ خوبصورتوں کو ہنسانیوالی ایک چیز بنجاتا ہے۔ لیکن میر صاحب پر تو معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بوڑھاپا پھٹ پڑا ہے کمر بھی اونگھتے اونگھتے جھک گئی تھی۔ تمام جسم کی کھال لٹک پڑی تھی چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سر کے الجھے ہوئے پٹے بھی بے مرمت پڑے تھے اور کھچڑی داڑھی بھی آزادی کے ساتھ جدھر چاہتی تھی پھیل رہی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ انگلیوں کے ناخن بھی قطع وبرید سے معاف کر دئیے گئے تھے۔ لباس کے معاملہ میں وہ بہت ہی سادہ دل واقع ہوئے تھے یہ غور کرنے کی بات ہے کہ خاندان شاہی کا یہ چراغ نہایت سادہ وضع میں زندگی بسر کر رہا تھا، اُن کے گھر میں کپڑوں کے لئے کوئی بکس کوئی صندوق یا کوئی صندوقچی نہ تھی اور نہ اس کی کوئی ضرورت تھی میر صاحب کے پاس جس قدر کپڑے تھے وہ سب ان کے جسم پر رہتے تھے ہم نے تو کبھی بھی ان کے کپڑوں کو دھوبی کے یہاں جاتے یا دھوبی کے یہاں سے ان کے کپڑے آتے ہوئے نہیں دیکھے۔ بس جو کپڑے وہ جسم پر پہنے ہوئے تھے وہ گویا ان کی کھال ہو کر رہ گئے تھے اب اگر آپ ہم سے یہ پوچھیں کہ ان کپڑوں کا کیا رنگ تھا تو ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصلی رنگ کا تو خیر حال معلوم نہیں لیکن کثرت استعمال سے وہ کپڑے رنگ بدلتے بدلتے اب جس ایک رنگ پر قائم ہو گئے تھے اس کو اصطلاح عام میں صافی کا رنگ کہتے ہیں اسی طرح اگر آپ یہ دریافت کریں کہ ان کا لباس کس کپڑے کا ہوتا تھا یعنی تنزیب یا نین سکھ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمنے میر صاحب کو ہمیشہ موم جامہ زیب تن کئے ہوئے دیکھا ہے جس پر مکھیوں کی نشست سے ہر وقت مختلف قسم کے نقش ونگار بنتے اور مٹتے رہتے تھے۔ البتہ ان کے کپڑوں کی خوشبو یا بدبو کے متعلق ہم کچھ بھی عرض نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ یہ علم حاصل کرنے کی ہم کو کبھی جرأت نہیں ہوئی۔

میر صاحب کا دولت کدہ ایک بہت ہی ویران محلہ میں تھا جس کا بیشتر حصہ لکھوری اینٹ اور گارے کی شکل

یں مکان کے صحن میں نظر آتا تھا اور جو باقی رہ گیا تھا وہ بھی کوئی تاریخی کھنڈر معلوم ہوتا تھا لیکن میر صاحب کی ضروریات کے لئے ایک مختصر سی کوٹھری کافی تھی جس میں وہ اپنی تمام گرہستی کے ساتھ رہتے تھے اور باقی تمام مکان فی سبیل اللہ چھوڑ رکھا تھا۔ میر صاحب کی مختصر سی کوٹھری میں ایک تو تھی وہ چارپائی جو شاہی زمانہ کے کھٹ بنوں نے اپنی ہاتھ سے بنی تھی حالانکہ اب وہ اپنی بوسیدگی کے اعتبار سے ٹوٹی ہوئی قبر معلوم ہوتی تھی لیکن میر صاحب اس حالت کو غنیمت سمجھتے تھے بہ نسبت اس کے کہ آج کل کے بد تمیز کھٹ بنے اس تاریخی چارپائی میں ہاتھ لگائیں۔ اُس چارپائی پر کچھ بستر تھا تو ضرور لیکن صحت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا تھا۔ اور کن کن چیزوں پر مشتمل تھا۔ چارپائی کے علاوہ اس کوٹھری میں جس چیز کو نمایاں حیثیت حاصل تھی وہ حقہ تھا اس حقہ کے متعلق یہی بیان کیا جاتا ہے کہ میر صاحب کے دادا جان مرحوم مغفور کو غدر کے زمانہ میں کسی شاہی محل میں پڑا ہوا ملا تھا اور وہ اب تک نہایت حفاظت کے ساتھ سینہ بسینہ چلا آ رہا تھا میر صاحب نے تو بنظر احتیاط اس کو کبھی پانی سے تازہ تک نہیں کیا تھا اور نہ اس کا پانی سال بھر سے پہلے بدلتے تھے البتہ ان کی چلمیں جب سے اب تک چار پانچ مرتبہ ضرور بدلی گئی تھیں اور اس میں بھی میر صاحب کی احتیاطی کو دخل نہ تھا۔ بلکہ یہ ہوتا تھا کہ جہاں میر صاحب کی آنکھ جھپکی اور حقہ الٹ کر زمین پر آ رہا بس اسی میں چلمیں ٹوٹ گئیں چارپائی اور حقہ کے بعد تین کے سماور کا نمبر تھا جو ہر وقت گرم رہتا تھا اور جس میں ہر وقت چائے موجود ہوتی تھی ان چیزوں کے علاوہ چائے کی پیالی کوئیلوں کی ٹوکری، کچھ کلھڑ، کچھ دونے، گلگسو کا ڈبہ جس میں خمیرہ تمباکو رکھا جاتا تھا، ایک اسٹول جس پر گول چینی کی پیالی، کاتبوں کی دوات کی طرح رکھی تھی، ایک آگ دہوکنے والی وفتی، کچھ آگ سلگانے کے لئے گوڈڑ، ایک آبخورہ، ایک گھڑا، ایک تامچینی کا ڈونگا اور ایک دیا سلائی کی ڈبیا بھی تھی ان ہی تمام چیزوں کی میر صاحب کو ضرورت تھی اور ان ہی سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے تھے لیکن زیادہ تر توجہ اسٹول پر رکھی ہوئی پیالی کی جانب رہتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی زندگی اسی پیالی میں بند ہے۔

میر صاحب کا زیادہ تر وقت اسی گوشۂ عافیت میں گذرتا تھا لیکن ہر روز کم سے کم ایک مرتبہ آپ اپنے ایک دوست کے مکان پر ضرور جاتے تھے جہاں آپ کے تمام ہم مشرب یکجا ہو کر تھوڑا سا وقت دلچسپی کے ساتھ گذارتے تھے۔ اس اجتماع میں بڑے بڑے ملکی اور قومی، سیاسی اور معاشرتی، ادبی اور تمدنی، اخلاقی اور علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی، واقعات حاضرہ پر رائے زنی کی جاتی تھی اور دنیا کے اہم سے اہم معاملات نہایت غور و فکر کے بعد طے پاتے تھے اور اس انجمن میں میر صاحب کو وہی درجہ حاصل تھا جو کسی ذمہ دار کانفرنس کے صدر کو حاصل ہوتا ہے ان کی رائے قطعی اور فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی۔ اور ان کے تبحر، تدبر اور تجربہ کاری کا تمام ہمعصروں پر بڑا اثر تھا اور واقعہ بھی یہی تھا کہ اپنے یاران میکدہ میں میر صاحب سب سے زیادہ کہنہ مشق اور سب سے پرانے افیونی تھے۔ ان باتوں کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ ہمارے میر صاحب کس پایہ کے افیونی تھے۔

میر صاحب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لئے ہم نے ان کے ساتھ بہتر سے بہتر تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ ان کی افیون کے اخراجات کا ٹھیکہ لے لیا جس کے بعد میر صاحب کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ابھی تک دنیا باوفا دوستوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ میر صاحب پر اس طرح قابو حاصل کر لینے کے بعد ہم نے ان کی خاص سوسائٹی میں بھی داخل ہونا شروع کر دیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس نئی دنیا کی سیر کرتے رہے۔ میر صاحب کا معمول تھا کہ اپنے دوستوں کے مجمع میں جاتے ضرور تھے لہذا ہم نے بھی ان کے ہمراہ جانا شروع کر دیا اور وہاں جا کر صحیح معنوں میں ایک نئی دنیا دیکھی جس کمرہ میں اس کانفرنس کے اجلاس ہوتے تھے اس کے وسط میں ایک بڑا سا پتیلہ چولھے پر چڑھا رہتا تھا جس میں چار دم ہوتی تھی اور اس پتیلے کے چاروں طرف میر صاحب کے تمام دوست حلقہ باندھکر بیٹھتے تھے اور سب کے سامنے کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور تھا کسی کے سامنے چار کی پیالی ہوتی تھی تو کوئی کلھڑ لئے بیٹھا ہوتا تھا کسی کے آگے حقہ ہوتا تھا تو کوئی اپنی عزیز از جان پیالی میں چٹکی ڈالے بیٹھا ہوتا تھا کسی کے ہاتھ میں طلسم ہوشربا کی کوئی جلد ہوتی تھی تو کوئی کھٹیوں سے شغل کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہر ایک کسی نہ کسی کام میں مصروف ضرور ہوتا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ اہم ترین معاملات پر تبادلۂ خیال کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ کسی نے کہا:—— (ہر جگہ نون غنہ بڑھا کر پڑھیے)

"اماں بھائی۔ غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں"

دوسرے بولے۔ ارے یار پھر کہاں ہم اور کہاں یہ صحبتیں مر کر چلے جائیں گے پھر ہم ہوں گے اور قبر کا کونا"

تیسرے نے کہا۔ سچ ہے بھائی اللہ بس باقی ہوس۔

چوتھے نے فرمایا "خدا معلوم کیا حشر ہو بڑے گناہ کئے ہیں"

پانچویں بولے۔ واللہ ہم سا روسیاہ بھی دنیا میں کوئی نہ ہوگا نہ نماز کے نہ روزے کے آخر خدا کو کیا منہ دکھائینگے بھائی اور چاہے جو کچھ کرو نماز ضرور پڑھ لیا کرو بڑی برکت ہوتی ہے اور سارے گناہ معاف ہو جائیں گے یہ نماز نہ پڑھنا تو جہنم کی سیر کرائے گا۔

میر صاحب نے فرمایا "اماں لاحول ولا قوۃ کیسی باتیں کرتے ہو، خداوند کریم بڑا رحیم ہے، اماں وہ ہم کو نہ بخشے گا تو کیا فرنگیوں کو بخشے گا، بھائی ہم کلمہ تو پڑھتے ہیں ان گنہگاروں کو دیکھو جو دنیا کے گناہ کرتے ہیں اور پھر بھی بادشاہت کرتے ہیں مگر وہاں جا کر پتہ چلے گا۔

ایک اور صاحب کہنے لگے۔ کیا بات کہی ہے واللہ مگر میر صاحب یہ انگریزوں کی شاہی بھی گاندھی نے کرکری کر دی سنا ہے کہ اب تو لڑائی ہونے والی ہے"

میر صاحب "اماں جاؤ بھی گاندھی بیچارہ کیا کرتا وہ تو کہو کہ سرکار نے ڈھیل چھوڑ رکھی ہے نہیں تو توپ کے منھ پر باندھ کر اڑا دیتی سرکار سے کوئی کیا لڑے گا۔ ہزاروں بندوقیں توپیں، تیر و کمان، تلوار سب ہی تو اس کے پاس ہیں سرمہ کر دے

جو کوئی سر بھی اُٹھائے، اماں آج چاہے توپوں میں بارود بھر کر سارے شہر کو اڑا دے۔ ہوائی جہاز سے آگ برسا دے ریلوں کو لڑا دے موٹروں سے کچل دے اماں ایک ہوائی جہاز ایسا ہے کہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ایک صاحب نے فوراً آنکھیں کھول کر فرمایا ارے ہاں بھائی میر صاحب خوب یاد دلایا، یار اِن ہوائی جہازوں سے تو بڑی بے پردگی ہوتی ہے۔ سب پردہ دار عورتوں کو یہ لوگ دیکھتے ہوں گے"۔

دوسرے صاحب کہنے لگے "ہاں بھائی کل ہی کا ذکر ہے کہ ایک ہوائی جہاز میرے مکاں پر نکلا مگر بہت نیچا تھا میں نے بھی لڑکے کا لنگڑہ لیکر جو اسپر مارا تو قسم ہے آپکے سر عزیز کی کہ بس ذرا سا بچ گیا نہیں تو زمیں پر ہوتا اور بڑی بیلی سر مہ ہوگئی ہوتیں میر صاحب نے تجویز پیش کی۔ بھائی تو اب کیا کیا جائے عورتوں کو انگنائی میں نہ نکلنے دیا کرو یا ایک شامیانہ لیکر لگا دو۔

اس کے بعد پردہ کا مسئلہ چھڑ گیا اور پھر یورپ کی آزادی پر تبصرہ ہونے لگا، انگریزوں کی دولت کا ذکر ہوا اُنکی تندرستی اُن کی غذا ان کے لباس اُن کی معاشرت ان کی گندگی ان کے کتوں ان کی میموں ان کے بچوں کا تذکرہ ہوا بیفکری اور فارغ البالی کے موضوع پر دھواں دھار تقریریں ہوئیں ہندوستان کے افلاس پر اظہار افسوس کیا گیا ہندو مسلم کشیدگی پر دیر تک بحث ہوتی رہی۔ سوراج کے امکانات پر تبادلۂ خیال ہوا۔ جنگ کے آثار کا اندیشہ ظاہر کیا گیا، جنگ کے ہولناک نتائج بیان کئے گئے اور پھر قرب قیامت کے وعظ کے بعد ایک صاحب نے تجویز پیش کی ہم سب نماز شروع کر دیں اور اب کی رمضان میں روزے ضرور رکھیں انطاری کی فہرست مرتب ہوئی اور یہ دلچسپ کارروائی ایک صاحب کے چار کی طرف متوجہ ہونے سے ادھوری رہ گئی۔ جس کے بعد سب نے چا نوشی شروع کر دی اور پھر نئی دور شروع ہوا جس کے ساتھ ساتھ کوئی تو اپنی خاندانی فیاضی کے فسانے سناتا رہا کوئی اپنے والد مرحوم کے کارنامے بیان کرتا رہا کسی نے اپنی جوانی کی رنگیں داستاں چھیڑ دی اور میر صاحب نے اپنے خاص انداز بیان میں واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے محلات کا ذکر شروع کیا جو نہیں معلوم کہاں کہاں ہوتا ہوا الہ آباد کی نمائش پر آکر ختم ہوا۔ ایک صاحب جو دیر سے اپنے دونوں گھٹنوں میں سر دیے ہوئے بیٹھے تھے ذرا سا اُبھرے اور سب کو داستان امیر حمزہ کی طرف متوجہ کیا جسکی سب نے تائید کی اور ایک صاحب نے شروع کر دیا۔ داستان کا پڑھنا اور سب آنکھیں بند کرکے سننے لگے وہ حضرت داستان پڑھ رہے تھے داستان کے ایک ایک فقرے پر ایکٹنگ بھی فرماتے جاتے تھے لیکن سامعین کا یہ حال تھا کہ رفتہ رفتہ سب کے سر گھٹنوں میں گھستے جاتے تھے صرف داستاں گو کی آواز کمرہ میں گونج رہی تھی باقی سب پر ایک سکوت بلکہ موت کی سی کیفیت طاری تھی۔

شوکت تھانوی

باب الاستفسار

(جناب محمد عظمت علی خاں صاحب - رنگون)

براہ کرم حسب ذیل دو سوالات کا جواب مرحمت فرمائیے

(۱) مشہور شعر ہے :-

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان بورانی

کیا یہ شعر واقعی خاقانی کا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

(۲) شاہجہاں کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ شطرنج میں ایک بار کسی کے مقابلہ میں اُن کو مات ہو رہی تھی کہ ان کی کسی بیگم نے یہ نقشہ بتایا براہ کرم اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ فرمائیے نیز یہ کہ شطرنج کا وہ نقشہ کیا تھا میں نے ہر ایک شخص کی زبانی یہی سنا ہے کہ اس نقشہ میں فرزین ہٹ رہا تھا اور اس کو دو رُخ دیکر بچانے کا مشورہ بیگم نے دیا تھا - گویا دلارام یہاں فرزین کے معنے میں آیا ہے -

---

(نگار) آپ نے جو شعر لکھا ہے اس کا پہلا مصرعہ تو یقیناً خاقانی کا ہے، لیکن دوسرا نہیں ہے - خاقانی کا اصل شعر یہ ہے :-

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ سلطانی ست درویشی و درویشی ست سلطانی

لیکن اس شعر کا دوسرا مصرعہ بدلکر ابو اسحاق نے وہ رکھدیا جو آپ کے لکھے ہوئے شعر میں پایا جاتا ہے -

ابو اسحاق ایک شاعر تھا جو کھانے کا بڑا شائق تھا اور اس کی شاعری کی خصوصیت یہی تھی کہ وہ سوائے کھانے کی چیزوں کے اور کوئی ذکر ہی نہ کرتا تھا - اس نے سعدی، حافظ وغیرہ کے بہت سے اشعار میں اس طرح کا تصرف کرکے اپنے ذوق کا اظہار کیا ہے -

چنانچہ حافظ کے بعض اشعار معہ تصرفات ابو اسحاق کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اشعار حافظ	تصرفات ابو اسحاق
آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند	کیپا پزاں سحر کہ سر کلہ وا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
ترک عاشق کش ماست برول رفت امروز تاکرا خونِ دل از دیدہ رواں خواہد بود	مطبخی باز پیاز از جہت قیمہ خرید تا دگر آب ز چشمِ کہ رواں خواہد بود
گوشہ گیری و سلامت ہوسم بود ولے فتنۂ می کند آں نرگس فتاں کہ مپرس	روزہ داری و قناعت ہوسم ہست ولے چشمکے می زند آں برۂ بریاں کہ مپرس
کس بہ اُمید وفا ترک دل و دیں مکناد کہ چنانم من ازیں کردہ پشیماں کہ مپرس	کس بہ بالائے مزعفر مکناد آش ترش کہ چنانم من ازیں کردہ پشیماں کہ مپرس

سعدی کا مشہور شعر ہے :-

تواضع زگردن فرازان نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ابو اسحاق نے اس میں یہ تصرف کیا :-

شکم پُر ز حلوا و بریاں نکوست
عدس گر شکم پُر کند خوئے اوست

الغرض اس نے اپنی ساری عمر اسی طرح کی شاعری میں بسر کی - اور اُسی نے خاقانی کے اس شعر کو جس کا آپ نے ذکر کیا ہے "بادنجان دبورانی" کے اضافہ سے اپنا کرلیا اور اس قدر مشہور ہوگیا کہ آج خاقانی کا اصل شعر شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ ابو اسحاق کا شعر جو تصرف کے بعد اس نے لکھا تھا یہ ہے :-

پس از سی سال بو اسحاق شد تحقیق ایں معنی
کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان بورانی

لیکن عام طور پر لوگ اس طرح پیش کرتے ہیں جس طرح آپ نے لکھا ہے،

۲ —— شاہجہاں اور نقشۂ شطرنج کے متعلق جو قصہ آپ نے بیان کیا ہے وہ تفصیل کے ساتھ یوں بتایا جاتا ہے کہ "ایک بار شاہجہاں کسی ایرانی شاہزادہ کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف ہوا اور شرط یہ قرار پائی کہ جو جیت جائے وہ حرم کی کوئی بیگم فریق ثانی کو نذر کرے۔ اتفاق سے چالیں ایسی پڑیں کہ شاہجہاں کو مات ہونے لگی اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا توڑ کیا ہو۔ شاہجہاں بازی کو اسی طرح چھوڑ کر اندر گیا تاکہ کسی بیگم کا انتخاب کرے۔ ایک بیگم نے جس کا نام جہاں بیگم تھا بادشاہ کا ارادہ معلوم کرکے کہا کہ :-

تو بادشاہ جہانی، جہاں ز دست مدہ
کہ بادشاہِ جہاں را، جہاں بکار آید

بادشاہ ایک دوسری بیگم (حیات بیگم) کی طرف مخاطب ہوا تو اس نے عذر کیا کہ :-

جہاں خوش ست ولیکن حیات می باید
اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

یہ سنکر بادشاہ تیسری بیگم کی طرف مخاطب ہوا جس کا نام فنا بیگم تھا اُس نے کہا کہ :-

جہان و حیات و ہمہ بے وفاست
طلب کن فنا را کہ آخر فناست

اس کے بعد بادشاہ اپنی نہایت ہی محبوب و عزیز بیگم دلارام کے پاس گیا۔ اُس نے کہا مجھے شطرنج کا نقشہ تو ایک بار دیکھ لینے دیجئے۔ چنانچہ بادشاہ اس کو لے گیا اور اس نے بساط کو غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ :-

شاہا دو رُخ بدہ و دلارام را مدہ
پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

اس شعر میں دلارام کے معنی فرزین کے نہیں ہیں، بلکہ خود اسی کی ذات مراد ہے، شطرنج کا نقشہ جس میں دلارام کی بتائی ہوئی چالوں سے فریق مخالف کو مات ہوتی ہے حسب ذیل ہے :- بازی سیاہ شاہزادہ ایران

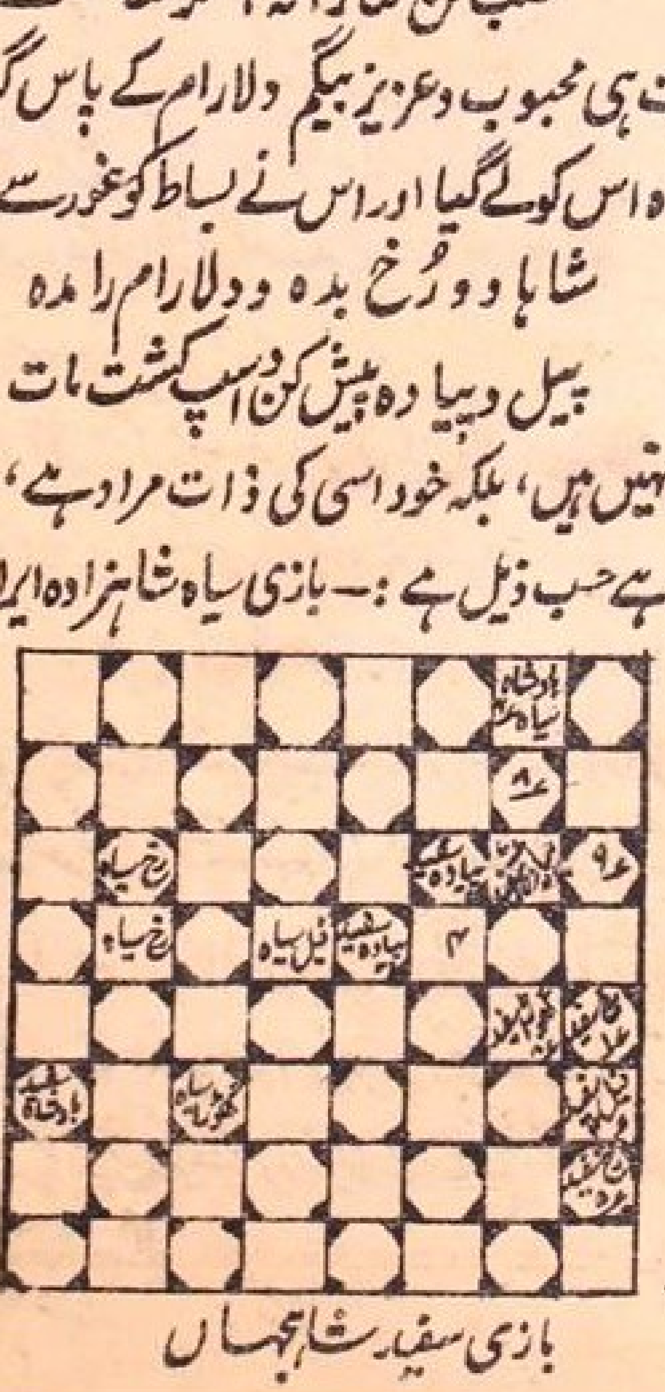

بازی سفید شاہجہاں

آپ بساط پر باقاعدہ مہروں کو رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ شاہجہاں کے سفید شاہ کو صرف ایک چال میں مات ہو سکتی ہے اور اس کا کوئی علاج نظر نہیں آتا، لیکن دلارام کی بتائی ہوئی چالوں سے خود سیاہ بازی کو مات ہو جاتی ہے۔ وہ چالیں دلارام نے اپنے شعر میں اس طرح ظاہر کی ہیں کہ "دو رُخ کٹوا دیے جائیں پھر پیل کی شہ دی جائے، اس کے بعد پیادہ کی اور پھر گھوڑے کی" ان چالوں سے مات ہو جائے گی۔

رخ سفید خانہ نمبر ا سے نمبر ۲ میں رکھا جائے، سیاہ بادشاہ کو کوئی چارہ سوائے مار لینے کے نہ ہوگا، اس کے بعد فیل سفید کو خانہ نمبر ۳ سے اٹھا کر نمبر ۴ میں رکھدیا جائے اور رخ خانہ نمبر ۵ سے اُٹھتی ہوئی کشت دیجائے۔ (واضح رہے کہ اُس وقت پیل کی چال صرف تین گھر ترچھی ہوا کرتی تھی اور بیچ میں اگر کوئی اور مہرہ ہوتا تھا تو اس کو پھاند کر بھی چل دیتے تھے) رُخ کی اس اُٹھتی ہوئی کشت سے سیاہ بادشاہ کو پھر اصلی گھر خانہ نمبر ۶ میں واپس جانا پڑے گا۔ اس کے بعد رُخ سفید خانہ نمبر ۵ سے پھر خانہ نمبر ۲ میں رکھ کر کشت دیجائے، بادشاہ سیاہ پھر اس کو ماریگا اور خانہ نمبر ۲ میں بیٹھ جائے گا۔ اس کے بعد پیادہ سفید خانہ نمبر ۷ سے خانہ نمبر ۸ میں بڑھا کر کشت دی جائے، بادشاہ مجبوراً پھر خانہ نمبر ۶ میں آئے گا۔ اس کے بعد سفید گھوڑا خانہ نمبر ۴ سے خانہ نمبر ۹ میں رکھ کر کشت مات دی جائے۔ اس واقعہ کو کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہیں ہے، بلکہ صرف ایک لطیفہ کی صورت سے مشہور ہے۔

شرق اردن کی حکومت

(جناب محمد عباس علی صاحب۔ اجین)

عرب میں اس وقت اردن کی حکومت سے کیا مراد ہے، یہ حکومت کب قائم ہوئی اور کس حصۂ زمین پر ہے۔ اگر کچھ اور حالات آبادی و آمدنی وغیرہ کے بھی معلوم ہو سکیں تو بہتر ہے۔ میرا ایک بھائی وہاں جا کر تجارت کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کا ایک دوست اتفاق سے بہ وساطت ملک فیصل وہاں پہونچ گیا ہے اور اسے بلاتا ہے

(نگار) جب جنگ عظیم ختم ہوگئی تو انگلستان اور فرانس میں باہم طے پا گیا کہ سواحل سوریا کی نیابت فرانس کی طرف سے ہوگی اور فلسطین کی طرف سے انگلستان نیابت کریگا لیکن بلاد عربی جو حلب سے لیکر معان تک وسیع ہیں خالص عربی حکومت ہونگی۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوریا کا علاقہ فرانس کے زیر اثر آگیا اور فلسطین کا انگلستان کی سیادت میں۔ اب رہگیا حلب سے لیکر معان تک کا حصہ سو اس میں ایک جدید عربی حکومت قائم کر کے امیر فیصل کو اسکا فرمانروا قرار دیا گیا اور امیر نے دمشق کو پایۂ تخت قرار دیکر ابنائے عرب کی خالص عربی حکومت کی طرح وہاں ڈالی۔

چند دن بعد امیر فیصل اور حکومت فرانس میں اختلاف پیدا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی فوجیں جولائی سنہ ۱۹ء میں دمشق کے اندر داخل ہوگئیں اور امیر فیصل کو معزول کر کے اہل فرانس نے سوریا پر قبضہ کر لیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ فلسطین کے جوار میں جو بلاد معان، اسلط، کرک وعمان واقع ہیں وہاں کیا انتظام کیا جائے کیونکہ یہ مقامات بھی امیر فیصل کی حکومت میں تھے، اور فرانس سیادت انگلستان کی وجہ سے یہاں کچھ نہ کر سکتا تھا، اس لئے انگلستان نے خود تو وہاں قابض ہونا مناسب نہیں سمجھا اور امیر فیصل کی جگہ اُسکے بھائی امیر عبد اللہ کو بحیثیت نائب ہونے کے حکومت تفویض کردی۔ یہی حصہ شرق اردن کی حکومت کہلاتا ہے۔

کچھ دن تو یہی صورت قائم رہی لیکن بعد کو انگلستان نے فیصلہ کیا کہ بلاد شرق اردن میں علحدہ ایک مستقل حکومت قائم کردی جائے اور اس طرح اپریل سنہ ۲۱ء میں امیر عبد اللہ کو امتحاناً وہاں کا فرمانروا بنا دیا گیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ برطانیہ کی نیابت فلسطین کی طرح یہاں بھی کام کریگی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں حکومت برطانیہ نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ وہ حکومت اردن کو امیر عبد اللہ کے سیادت میں ایک مستقل حکومت تسلیم کرنے کے لئے طیار ہے بشرطیکہ وہاں حکومت دستوری قائم کی جائے۔ چنانچہ ۲۰ فروری سنہ ۱۹۲۸ء کو برطانیہ اور حکومت شرق اردن کے درمیان معاہدہ ہوگیا اور اس کے رو سے وہاں ایک مجلس تشریعی قائم کی گئی

چنانچہ اب امیر عبد اللہ وہاں کے فرمانروا ہیں اور ان کے بڑے بیٹے کو برطانیہ نے ولی عہد بھی تسلیم کر لیا ہے لیکن یہ حکومت و فرمانروائی بالکل ویسی ہی ہے جیسے ہندوستان کی ریاستوں میں نظر آتی ہے کہ بلا استمزاج حکومت برطانیہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

ریاست اردن کی آبادی دو لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں ہے جس میں سے ۲ لاکھ ۲۰ ہزار مسلمان ہیں، اور ۳۰ ہزار عیسائی، دس ہزار کے قریب چرکس قوم کے آدمی بھی پائے جاتے ہیں۔

پولیس و جندرمہ میں بھی تقریباً ایک ہزار آدمی ملازم ہیں اور مدارس وغیرہ بھی قائم کئے گئے ہیں۔ سنہ ۳۰ء یہاں کی آمدنی کا اندازہ ۳۵۹۳۴۵ گنی کیا گیا تھا۔

امیر عبد اللہ ملک حسین والی حجاز کے دوسرے بیٹے ہیں، سنہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے اور اب پچاس سال کی عمر رکھتے ہیں۔ آدمی معقول ہیں۔

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن وعشق کی تمام نشہ کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں قیمت صرف دس آنے (۱۰) علاوہ محصول

منیجر نگار لکھنؤ

اعتبارات

رات تھی اور تاریک، سکون تھا اور مطلق ——— تاریکی وسکون کی شدت کے ساتھ میری قوت مشاہدہ وبصیرت بہت غائر وعمیق ہوجایا کرتی ہے ——— دو بج چکے تھے، دنیا غافل سو رہی تھی اور میں تنہا گاؤں کے ایک جھونپڑے میں، گہرے سکون کی اس خاص آواز کو جسے کان نہیں صرف دماغ سن سکتا ہے، پوری طرح محسوس کر رہا تھا۔

فضا کے وسیع بسط میں ستارے اس طرح منتشر تھے گویا کہ وہ روشنی کے بیشمار قطرے ہیں جو سطح پر گر کر پھیل گئے ہیں، میں خاموش لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ کیا خدا کی ابدیت اسی احاطہ نہ ہوسکنے والی کائنات کا مفہوم ہے، کیا خدا کا وجود اسی لانہایت سے عبارت ہے اور کیا ازلیت اسی کا دوسرا نام ہے ——— دفعتہً ایک ستارہ ٹوٹا اور پہلے ایک سیدھا، پھر منحنی خط بناتا ہوا تیز روشنی میں تبدیل ہو کر فنا ہوگیا ——— فوراً اس مذہبی معلم کی طرف خیال منتقل ہوا جس نے از روئے حدیث نبوی کسی وقت یہ ذہن نشین کرا دیا تھا کہ جنھیں شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ وہ اس گرز کی چنگاریاں ہیں جسے فرشتے شیطانوں کے سروں پہ مارتے ہیں ——— اس کے بعد ہی یورپ کے ایک گمراہ فلسفی کا مقولہ یاد آگیا کہ "دنیا عبارت ہے، خدا اور شیطان کے درمیان سمجھوتے" سے ———

میں ان دونوں خیالوں کے تضاد و اختلاف پر دیر تک دل ہی دل میں ہنستا رہا اور پھر سوچنے لگا کہ کیا انسان کی سرکشی ہمیشہ جہل ہی کے رد عمل کا نتیجہ ہوا کرتی ہے ——— اتفاق سے اسی وقت گاؤں کے اس مجذوب کی آواز کان میں آئی جس کی بات مشکل ہی سے کسی کے سمجھ میں آتی تھی۔ وہ مندر کے ایک ایک بت کو باہر نکال کر پھینکتا جاتا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ "عقل سے کام لیکر خدا کا انکار۔ اس سے بہتر ہے کہ بے عقلی سے اس کا اقرار کیا جائے"۔ میں نے پاس جا کر اس سے پوچھا کہ "اگر بے عقلی سے بجائے اقرار کے انکار کیا جائے تو؟" اس نے مجھے دیکھا اور کہا کہ "یہ اپنی قسم کی بالکل پہلی بے عقلی ہوگی" اور پھر اپنے کام میں لگ گیا

مطبوعات موصولہ

انتخاب دیوان شمس تبریز

مغرب کے مشہور مستشرق ڈاکٹر رنالڈ نکلسن کا دیوان شمس تبریز بہت مشہور چیز ہے جسکے مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہ صرف شمس تبریز بلکہ جلال الدین رومی اور ان کے ہمعصر اکابر رجال کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صوفیانہ شاعری پر بحث کرتے ہوئے فلسفۂ تصوف پر بھی مورخانہ و ناقدانہ گفتگو کی ہے۔

اسی کتاب کو اب نگار کے مشہور فاضل مقالہ نگار مولوی عبدالمالک صاحب آروی نے اردو میں منتقل کیا ہے اور حقیقت سے انکار ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے اس کی ترتیب میں ڈاکٹر نکلسن سے کم محنت کی ہے یہ کتاب حقیقتاً ترجمہ نہیں ہے بلکہ خود نکلسن کی تصنیف پر ایک فاضلانہ تبصرہ ہے، جس میں بہت کچھ مفید اضافہ کے ساتھ نکلسن کے "تسامحات" کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔

ملک کو ممنون ہونا چاہئے ایوان اشاعت گورکھپور کا جس نے اس کتاب کو نہایت نفیس طباعت وکتابت کے ساتھ شائع کیا اور حوصلہ افزائی کرنا چاہئے اس کے فاضل مرتب کی جس نے انتہائی عرق ریزی و خوش سلیقگی سے ایک ایسی چیز اردو میں پیش کی جس کی مثال ہمارے یہاں کے انتقادی لٹریچر میں مشکل ہی سے کوئی دوسری مل سکتی ہے۔ آخر میں غزلوں کا انتخاب بھی دیدیا گیا ہے۔ اس کی قیمت عیمر رکھی گئی ہے اور ایوان اشاعت گورکھپور سے مل سکتی ہے۔

یوروپ میں دکھنی مخطوطات

یہ تالیف جناب مولوی نصیر الدین ہاشمی کی ہے جس میں انھوں نے تمام ان دکھنی مخطوطات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جو یوروپ کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے خود یوروپ جاکر وہاں کے کتب خانوں کی چھان بین کی اور ان مخطوطات کے متعلق جو غلطیاں وہاں کی فہرستوں میں پائی جاتی تھیں ان کی اصلاح کی اور اپنے ساتھ ایک بیش بہا ذخیرہ معلومات کا لائے۔

اس کتاب میں ایک مختصر سا مقدمہ ہمارے فراموش کار دوست ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) کا بھی شامل ہے جس میں انھوں نے اس تالیف کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے فاضل مولف کی محنت و کاوش کی پوری داد دی ہے۔

مقدمہ کے بعد خود مولف نے ایک "پیش نامہ" کے ذریعہ سے کتاب کا تعارف کیا ہے اور پھر ان مخطوطات کو شروع کیا ہے جو مغرب کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں،

اس کتاب میں ۱۰۰ سے زاید مخطوطات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے بعض بعض ایسے نادر ہیں کہ اس سے قبل ان کا علم ہی کسی کو نہ تھا۔

ہر چند اس میں زیادہ تر صرف دکن ہی کے شعراء و مصنفین کے مخطوطات پائے جاتے ہیں، لیکن تاریخ دکن کی اہمیت اور اس حقیقت کے لحاظ سے کہ زبان اردو کا تعلق دکن سے قدیم ترین تعلق ہے، یہ اس درجہ مفید واہم ہے کہ اردو لٹریچر کا کوئی محقق و منقش اسکو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب ۴۱۴ صفحات کو محیط ہے، اور نہایت نفیس کاغذ پر بہترین طباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

قیمت چار روپیہ ہے اور مولف سے تلی گوڑہ - ترپ بازار حیدر آباد کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

آزادی ترجمہ ہے جان اسٹوارٹ مل کی مشہور کتاب (Liberty) کا جسے مولوی سعید انصاری صاحب بی اے (جامعہ) نے کیا اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ جنھوں نے مِل کی اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ واقف ہیں کہ اس میں مسئلہ آزادی پر کس جوش و استواری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - اور حریت فکر و خیال" کے فلسفہ کو کس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مولوی سعید انصاری اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دونوں شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُن کی وجہ سے یہ بیش بہا خیالات اردو داں طبقہ تک پہونچ سکے - مولوی سعید انصاری مشہور مصنف و مولف ہیں اور سلاست روانی جو ان کے ترجمہ کے خصوصیات کبریٰ ہیں اس دقیق کتاب کے ترجمہ میں بھی پوری طرح پائی جاتی ہیں، قیمت صرف عہ

آئینہ معرفت یہ تصنیف ہے جناب سید اعجاز حسین صاحب اعجاز ایم، اے کی جو الہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے لکچرر ہیں اس کتاب میں اردو شاعری کے عنصر تصوف سے بحث کی گئی ہے اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں تصوف کی ابتدا و ترقی پر گفتگو کی گئی ہے اور متصوفین کے مختلف ابتدائی طبقوں کا حال بتایا گیا ہے۔

دوسرے باب میں تصوف کے بعض مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عہد ماابعد کے بعض صوفیہ فرقوں کا حال بتا دیا ہے۔

تیسرے باب میں فارسی شاعری کے عنصر تصوف کا ذکر ہے اور چوتھے پانچویں باب میں ان اردو شعرا کا ذکر ہے جن کے یہاں تصوف کی چاشنی پائی جاتی ہے۔

کتاب مطالعہ کے قابل ہے اور دو روپیہ میں لالہ رام نرائن لال پبلیشر کٹڑہ روڈ الہ آباد سے مل سکتی ہے۔

سیرۃ نبوی اور مستشرقین یہ مشہور مستشرق ولہاوزن کے اس مضمون کا ترجمہ ہے جو انسائکلوپیڈیا کی طبع نہم "محمدؐ نزم"

کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے جیسا کہ اسلام و بانی اسلام کے متعلق مستشرقین کے اکثر مضامین میں تاریخی و استدلالی غلطیاں پائی جاتی ہیں اسی طرح دلہا و دلہن کے مضمون میں بھی ہیں، اور انھیں کو دور کرنے کے لئے مولوی عبدالعلیم احراری بی اے آنرز (جامعہ) نے اس کا ترجمہ کرکے جا بجا نوٹوں سے غلطیوں کی طرف متنبہ کیا ہے۔

ترجمہ بہت صاف اور انتباہات نہایت برمحل مسلمانہ ہیں یہ کتاب بھی مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے ۲؎ میں ملسکتی ہے

دنیا کے بسنے والے

اس مختصر رسالہ میں جناب سید بشیر حسین زیدی بی اے نے بعض وحشی قبائل کے حالات نہایت دلچسپ انداز میں قلمبند کئے ہیں۔ جا بجا تصاویر و نقوش بھی دیدئے گئے ہیں یہ کتاب نہ صرف بچوں اور لڑکیوں کے لئے، بلکہ ہمارے ملک کے نوجوان طبقہ کے لئے بھی مفید ہے۔

قیمت ۶؍ ملنے کا پتہ جامعۂ ملیہ دہلی۔

انتخاب حسرت

مولانا حسرت موہانی کے دواوین کا انتخاب ہے جو جناب جلیل احمد صاحب قدوائی کے مقدمہ کے ساتھ جامعۂ ملیہ دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

حسرت کے رنگ تغزل کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، دنیا جانتی ہے کہ اس عہد میں حسرت ہی ایک ایسا شاعر ہے جسے صحیح معنے میں رئیس المتغزلین کہہ سکتے ہیں۔ مقدمہ نہایت دلچسپ ہے اور انتخاب بہت پسندیدہ

قیمت عہ ر (ایک روپیہ)

شاعر کی راتیں

جناب جوش ملیح آبادی کی ان نظموں کا مجموعہ ہے جس میں کسی نہ کسی طرح رات اور اس کے متعلقات کا ذکر آگیا ہے۔

جوش کے کلام کے متعلق کچھ لکھنا ایسا ہی ہے جیسے دن کے وقت یہ کہنا کہ آفتاب نکل آیا ہے۔

جناب اعجاز قدوسی نے ان نظموں کو یکجا شائع کرکے حقیقتاً "خمریات" کی بڑی بیش قیمت خدمت انجام دی ہے۔ یہ مجموعہ ایک روپیہ میں مرتب سے نام پلی جدید نمبر ۱۶۷ حیدرآباد دکن سے مل سکتا ہے۔

انگورا اور ترک

یہ کتاب جناب عبدالرب صاحب بی، اے، ال، بی، کی تالیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "سلطنت ترکی کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں نہ صرف انگورا کی تین مشہور لڑائیوں کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ ترکوں کی تمام عسکری تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اخیر میں قیام جمہوریت کے بعد جو تغیرات ہوئے ہیں ان کی طرف بھی اعتنا کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو ترکی و تاریخ ترکی سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ قیمت عہ ہے اور ملنے کا پتہ محمود مکتبہ نمبر ۶ نخاس کہنہ الہ آباد ہے۔

جوہر ماہر

یہ ایک طبی رسالہ ہے جسے حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبرآبادی نے تصنیف کیا ہے ۴۸ صفحے

کے اس رسالہ میں جناب ماہر نے مختلف اشیاء کے جوہر، نمک اور ست بنانے کے ایسے آسان طریقے بتائے ہیں کہ ہر شخص ان کو بنا کر کام لے سکتا ہے۔ ان کا طریق استعمال بھی بتایا گیا ہے اور یہ بھی لکھدیا گیا ہے کہ کن کن امراض کے لئے مفید ہیں۔ چونکہ جوہر نمک وغیرہ بہت جلد اپنا اثر کرتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص کتاب کی ہدایت کے مطابق چند ضروری چیزیں بنا کر اپنے پاس محفوظ رکھے تو معمولی معمولی امراض میں اسے اطباء کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

ترقی یافتہ ممالک میں تو ہر شخص کسی نہ کسی حد تک فن معالجہ سے واقف ہوتا ہے اور معمولی امراض کا علاج خود ہی کر لیتا ہے۔ لیکن ہندوستان ایسے جاہل ملک میں جہاں نزلہ و زکام کے فرق کو بھی لوگ محسوس نہیں کر سکتے، اس فن سے لوگوں کو سخت بیگانگی ہے۔ اس لئے جناب ماہر کا ممنون ہونا چاہئے کہ انھوں نے یہ رسالہ لکھکر عوام کے معمولی امراض کا علاج ان کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ لیکن بعض بعض جگہ فرو گزاشت بھی ہوگئی ہے، مثلاً جوہر اڑانے کی ترکیبوں میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ آنچ کتنی لکڑی کی دی جائے یا اگر اسپرٹ وغیرہ سے جوہر اڑانا ہو تو کتنی گرمی پہونچانا چاہئے۔ دوسرے اڈیشن میں اس کمی کو دور کر دینا چاہئے۔ اس کتاب کی قیمت ۶ر ہے اور خود جناب مصنف سے فراش خانہ دہلی کے پتہ پر ملسکتی ہے۔

عصمتی کشیدہ

ملک کے مشہور نسوانی رسالہ عصمت دہلی میں جو مختلف نمونے سوزنکاری کے شائع ہو چکے ہیں ان کو یکجا طور پر عصمتی کشیدہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں تقریباً ۱۵۰ نمونوں کے نقشے دئے گئے ہیں اور سب کے سب اچھے ہیں۔ بنانے کی ترکیب بھی نہایت صاف و آسان زبان میں بتادی گئی ہے۔ منیجر رسالہ عصمت دہلی سے یہ کتاب ایک روپیہ میں مل سکتی ہے۔

عصمتی کروشیا

یہ بھی رسالہ عصمت دہلی کی طرف شائع ہوئی ہے اور اس میں کروشیا کے کام کے ۷۵ نمونے معہ ہدایات وغیرہ درج کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب عہر میں رسالہ عصمت دہلی کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

موتیوں کا کام

اسی سلسلہ کی یہ تیسری کتاب ہے جو حال ہی میں رسالہ عصمت نے شائع کی ہے آج کل موتیوں کا کام عورتوں میں بہت مقبول ہوتا جا رہا ہے اس لئے اس کتاب کی اشاعت بہت بڑی ہوئی ہے۔ اس میں مختلف چیزوں کے دو سو سے زیادہ نمونے دئے گئے ہیں، جو واقعی بہت خوشنما ہیں، ہر چیز کے بنانے کی ترکیب بھی بتادی گئی ہے۔ اس کی قیمت دو روپیہ ہے اور ملنے کا پتہ وہی رسالہ عصمت دہلی ہے۔

صبغۃ اللہ

یہ کتاب ہے جناب شیخ غلام محمد احمد صاحب ایم، اے کی، جنھوں نے اس میں صوفیاء کرام کے "فلسفۂ ریاضات و کمالات" سے بحث کی ہے اس وقت تک تصوف پر اتنی کتابیں اردو میں لکھی جا چکی ہیں کہ شاید ہی کسی اور موضوع پر لکھی گئی ہوں، لیکن ان میں زیادہ تر وہی ہیں جو "خوارق عادات"

کو تنہا ذریعۂ اظہار عظمت سمجھکر تصنیف ہوئی ہیں، اور جن میں اخلاق و سیرت کو معمولی بات سمجھکر نظر انداز کر دیا ہے یا بہت کم اس طرف اعتنا کیا گیا ہے۔

لیکن اب دور حاضر میں مستشرقین کی دیکھا دیکھی لوگوں کو توجہ رہی ہے کہ وہ فلسفہ و تاریخ کے نقطۂ نظر سے اس پر بحث کریں اور صرف اسی پر اکتفا نہ کریں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ داخل تصوف کر دی جائے۔

یہ کتاب بھی اسی نوع کی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن ناقص و نا تمام کیونکہ اس وقت ضرورت اصطلاحات تصوف سے بحث کرنے کی نہیں ہے اور نہ اُن اقوال و آثار کے نقل کرنے کی جن کا زیادہ حصہ موضوع و غیر صحیح ہے، بلکہ ضرورت ہے۔ اس پیام امن و سکون کی تبلیغ کی، جو تصوف کا مقصد وحید ہے۔ آپ وحدت وجودی ذکر و فکر فنافی اللہ لاہوت و ناسوت وغیرہ کی اصطلاحیں سمجھا کر کوئی تبدیلی اخلاق انسانی میں پیدا نہیں کر سکتے اور نہ تصوف نام ان مصلحات کا ہے جو یقیناً اختلاط تصوف کے دور کی چیزیں ہیں، بلکہ تصوف عبارت ہے اِس "جلوۂ محبت" سے جو سب سے پہلے تفریق نسل و قوم کو مٹاتا ہے اور پھر اخیر میں اختلاف مذاہب محو کر کے انسان کو اس فضا میں پہونچا دیتا ہے جہاں انفرادی حیثیت مٹ کر صرف "انسان کلی" کا مفہوم باقی رہجاتا ہے۔

اس لئے میری رائے میں تصوف کی کتابیں لکھنا اس قدر مفید نہیں ہے جتنا خود اپنے اخلاق و اعمال سے اس کی غایت کو واضح کرنا۔ تصوف اور "درسِ محبت" ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اس لئے درسِ محبت بیکار ہے اگر خود اپنے دل میں "محبت" کا وجود نہیں اور نہ محبت کا کوئی خاص دستور آئین ہے جسے آپ اصطلاحوں کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

میرا عقیدہ ہمیشہ سے یہی ہے کہ نوع انسانی کی نجات اور دنیا کا امن و سکون صرف تصوف ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن وہ تصوف ایک انسان کے قلب و نگاہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے، کتاب اور دفتر مصطلحات سے نہیں۔

اس کتاب کو میں اس لحاظ سے ضرور غنیمت سمجھتا ہوں کہ اس میں خوارق عادات وغیرہ سے بحث نہیں کی گئی ورنہ اس سے آگے وہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ جس وقت ہم اپنے یہاں کے اس نوع کی تصانیف کے مقابلہ میں ہندو متصوفین کے ارشادات دیکھتے ہیں تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان جو اپنے آپ کو بہت بڑا علمبردار اس چیز کا سمجھتے ہیں، ان کے یہاں سوائے لایعنی اصطلاحات اور چند دقیق و مشکل الفاظ کے کچھ نظر نہیں آتا اور سوامی رام کا ہر ہر لفظ ایک ایسا پیغام محبت ہے جس کے آگے سر جھکا دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

یہ کتاب عہ میں مصنف سے جموں توئی، جموں کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

نغمۂ دل دیوان ہے جناب حکیم ضمیر حسن خان صاحب دل شاہجہاں پوری کا جو نفیس طباعت وکتابت کے ساتھ حال ہی میں شایع ہوا ہے۔

حضرت دل اس وقت ہندوستان کے مشہور شعرا میں سے ہیں اور ناظرین نگار کے طبقہ میں تو یوں بھی تعارف کی ضرورت نہیں کیونکہ انکا کلام اکثر نگار میں شائع ہوتا رہتا ہے - وہ لوگ جو شعرو شاعری سے دلچپی رکھتے ہیں اور سنجیدہ رنگ تغزل کے شائق ہیں اُن کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

ابتدا میں میرا ایک بسیط مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے اور حضرت عزیز لکھنوی کا تبصرہ بھی مصنف کی دو تصویریں بھی دی گئی ہیں - ایک عنفوان شباب کی اور دوسری اس وقت کی - آپ کا رنگ کلام ذیل کے بعض اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے:۔

سر طور ایک برق حسن لہراتی نظر آئی ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے دامن کو

نگاہ مست سے ادھر کے دیکھنے والے تجھے تو ہے مجھے اپنی خبر نہیں نہ سہی

نگاہ شوق رہی ہمزبان دل لیکن کسی طرح نہ بنا شرح آرزو کرتے

حسن چمن تھے قطرۂ شبنم بہار میں پلٹی ہوا تو اشک گل تر کے ہو گئے

کسی کی یاد تھی آنکھوں سے اشک ڈھلتے تھے اسی خیال میں ہم کروٹیں بدلتے تھے

روز آآ کر تسلی دل کو دیجاتا ہے کون کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ سمجھاتا ہے کون

پردہ اٹھا دیا یہ عجب اُس نے چال کی دیکھا تو ہم میں تاب نہ تھی عرض حال کی

یہ بھیگی رات یہ ٹھنڈا سماں یہ کیف بہار یہ کوئی وقت ہی پہلو سے اُٹھ کے جانے کا

یہ دیوان علاوہ محصول عہ میں منیجر نگار یا خود حضرت مصنف سے محلہ ہاتھی تھان شاہجہانپور کے پتہ سے مل سکتا ہے

بقیہ ملاحظات بسلسلہ صفحہ نمبر آٹھ

اب رہا یہ امر کہ والدین کے کہنے سے طلاق دینا ضروری ہوجاتا ہے میں عمومیت کے ساتھ اس کا قائل نہیں ہوں اور عہد نبوی کے جو بعض واقعات ایسے بتائے جاتے ہیں اگر ان کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ صورتیں ایسی تھیں کہ اگر والدین مجبور نہ کرتے تو بھی طلاق دیدینا ضروری ہوجاتا اور ان کا مجبور کرنا بھی صرف انھیں اسباب کی بنار پر ہوگا جو بہرصورت طلاق کو لازم کردینے والے ہیں بلا کسی اور مصلحت یا سبب خاص کے محض والدین کے کہنے پر طلاق دینا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ لیکن عبد الماجد تو یہ وجہ بھی پیش نہیں کرسکتے، کیونکہ جو شخص والدہ اور تمام اعزہ کی مخالفت کے باوجود شادی کرلے اس کو یہ حق کب حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ بعد کو طلاق دینے کی وجہ اس مخالفت کو قرار دے۔

اس قدر لکھنے کے بعد میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور آئندہ نگار میں اس موضوع پر قلم نہ اٹھاؤنگا۔ اگر عبد الماجد نے اپنی تحریروں سے مجھے مجبور نہ کردیا

ٹھیک اس وقت جبکہ آرڈیننس کا دور اپنی انتہائی منزل پر آرہا تھا اور ہندوستان کا کھویا ہوا امن وسکون مقتضی تھا کہ اس تاریک عہد کے بعد صلح وعافیت کا آفتاب طلوع کرے دفعتہً ۲۷ جون کو لندن اور شملہ کے ایوان حکومت سے وہ اعلان شایع ہوتا ہے جو آج کل سیاسی حلقوں میں انتہائی سرگرم گفتگو کا موضوع بنا ہوا ہے۔

دنیا سمجھ رہی تھی کہ اب غالباً آرڈیننس کے ذریعہ سے حکومت کی پالیسی ترک کردی جائے گی، لیکن دنیا کی یہ نافہمی دور کردی گئی اور اسی کے ساتھ جس صورت سے ہندوستان کی قسمت کا آئندہ فیصلہ کیا جانے والا ہے اس کا بھی اعلان کرکے ایکبار اور ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کرادیا گیا کہ بھیک دینے کا طریقہ وہی خوب جانتا ہے جس سے بھیک مانگی جاتی ہے۔ یعنی اگر ایک طرف مستقبل کے آئین حکومت کو پیش کیا گیا تو دوسری طرف یہ بھی بتادیا گیا کہ اس وقت تک جس چیز کو راونڈ ٹیبل کانفرنس کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا وہ محض خواب وخیال تھا کیونکہ ہندوستان کے باشندے ہنوز اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ اپنے ملک کے کسی معاملہ میں کوئی اہم رائے قائم کرسکیں اور برطانیہ اپنے اس حصہ کو بھی ترک نہیں کرسکتا جو ایک "شیر کا حصہ" ہونے کی حیثیت سے ایک چیز کے کل پر حاوی ہوسکتا ہے۔

اگر آپ اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں تو تیرہ سال قبل سے اس داستان کو شروع کیجئے۔ جب سنہ ۱۹۱۹ء میں اصلاحات کی اسکیم منظور ہوئی، تو ہندوستان کے قوم پرست اور آزادی پسند طبقوں نے اسکو ناکافی سمجھکر ترک موالات کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا۔ سوراج پارٹی مرکزی اور صوبوں کی قانون ساز

جماعتوں میں داخل ہوگئی اور اس نے ایک گول میز کانفرنس کا مطالبہ کیا جس میں ہندوستانی نمائندے، برطانوی نمائندوں کے ساتھ مساوی مرتبہ رکھتے ہوئے ہندوستان کے آئندہ آئین کی تشکیل کرسکیں لیکن اس مطالبہ کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور وقت گذرتا رہا۔ جب دس سال کی میعاد ختم ہوئی جس کے بعد آئینی اصلاحات کے قانون پر نظر ثانی کرنا پارلیمنٹ منظور کرچکی تھی تو سائمن کمیشن مقرر کیا گیا، لیکن چونکہ اسکے تمام اراکین انگریز تھے اور ہندوستانیوں کو صرف مشورہ اور شہادت دینے کی اجازت تھی اس لئے اُسکے خلاف سخت شورش و ہنگامہ برپا ہوا اور اعتدال پسند، انتہا پسند سب نے مل کر اس کا مقاطعہ کیا۔ بائیکاٹ کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ سائمن کمیشن کا تقرر کرکے گویا برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کو ان کے اس حق سے محروم کردیا تھا کہ وہ اپنے ملک کے لئے کسی قسم کا آئین مقرر کریں۔ پارلیمنٹ نے مشاورتی کمیٹیاں وغیرہ بناکر اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہا مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آخر کار گورنمنٹ نے ایک گول میز کانفرنس کے منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن چونکہ انتہا پسند جماعت کے اس مطالبہ کا کہ گول میز کانفرنس ہندوستان کے لئے ڈومینن طرز کی حکومت کا آئین بنانے کے لئے منعقد کی جائے کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اس لئے مجبور ہوکر کانگریس نے آزادی کامل کا اعلان کردیا اور تحریک سول نافرمانی منظور ہوگئی۔ سائمن کمیشن رپورٹ نے صوبوں میں خود مختاری اور مرکزی حکومت میں فیڈریشن کے اصول کو تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کے خیال میں فیڈریشن کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نہ تھا۔ جب گول میز کانفرنس کے موقعہ پر شہزادگان ہند نے فیڈریشن میں شامل ہونے کیلئے اپنی غیر متوقع رضامندی کا اظہار کرکے اس مسئلہ کے حل کو سہل کردیا تو فیڈریشن کا مسئلہ بھی گول میز کانفرنس کے پروگرام میں داخل ہوگیا۔ لیکن چونکہ کانگریس ابھی تک گول میز کانفرنس کے بحث و مباحثہ سے بالکل علیحدہ رہی تھی اس لئے حکومت کے نتائج فکر زیادہ اہم نہ ٹھہر سکے اور لارڈ ارون نے گاندھی جی سے مفاہمت کرکے اس بات کی سعی کی کہ کانگریس کی معیت بھی حاصل کرلی جائے۔ چنانچہ دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی جی کانگریس کے نمائندے کی حیثیت سے لندن پہنچے۔ لیکن وہاں کی سیاسی فضا کا نقشہ بدل چکا تھا۔ پارلیمنٹ کے نئے انتخابات میں قدامت پسند جماعت کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا، جسے گول میز کانفرنس اور مفاہمت کے طریقوں پر زیادہ اعتماد نہ تھا۔ اس لئے ہر چند اہم مسائل پر غور و فکر اور بحث و مباحثہ جاری رکھا گیا، مگر ہندوستانی قوم پرست جماعت کے اس مطالبہ پر کہ برطانوی حکومت اپنی تجاویز اصلاحات کے متعلق پیش کرے کوئی اعتنا نہیں کیا گیا اور اسی وجہ سے نہ فرقہ وارانہ مسئلہ کا کوئی حل ہوسکا۔ اور نہ تحفظات کے مسئلہ کا تصفیہ ممکن ہوا۔ آخر کار حکومت نے معاملات کو ملتوی کرنے کے لئے ایک طرف کمیٹیوں کا تقرر کردیا تاکہ وہ ہندوستان کا دورہ کرکے رپورٹ مرتب کریں، اور دوسری طرف انتہا پسند جماعت کی سرکوبی پر گورنمنٹ آمادہ ہوگئی کیونکہ حکومت کو یقین تھا کہ

انتہا پسند جماعت کی تعداد محدود ہے اور اس کی قوت کو آسانی کے ساتھ فنا کیا جا سکتا ہے اس لئے آرڈیننس جاری ہوئے کانگریس کی مختلف انجمنیں غیر قانونی قرار دی گئیں اور قومی زندگی میں ایک انتشار اور ہنگامہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ گورنمنٹ نے ساتھ ہی ساتھ اسی بات کی کوشش کی کہ ایک ایسی جماعت کانگریس کے مقابلہ میں پیدا کرے جو پبلک کے اعتماد کو قائم رکھتے ہوئے گورنمنٹ سے سوالات کر سکے اور اصلاح کے متعلق جو قانون حکومت نافذ کرنا مناسب تصور کرے اُن کو عملی جامہ پہنا سکے۔ یہ دونوں کوششیں یعنی کانگریس کے قلع قمع کرنے کی کوشش اور ایک تعاون کرنے والی آئینی جماعت کے پیدا کرنے کی کوشش ابھی تک جاری ہے۔

سیاسی ماحول کی اس قدر مختصر تاریخ معلوم کرنے کے بعد ضروری ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی موجودہ حالت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ کانگریس والے صاف طور پر کہہ چکے ہیں کہ کوئی آئینی اصلاح قابل قبول نہ ہوگی اگر اس میں کانگریس کو قوم کا نمائندہ سمجھکر اُس کے مطالبات کو نہ سنا گیا اور خود مختاری کامل کے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا اور اعتدال پسند جماعت بھی ان اصول کو اتنا ہی اہم سمجھتی ہے لیکن وہ کانگریس کو قوم کا واحد نمائندہ سمجھنے سے انکار کرتی ہے اور صوبہ کی حکومت میں مکمل خود مختاری اور مرکزی حکومت میں ڈومنین طرز کی حکومت چاہتی ہے۔ اس کے مطالبات کانگریس کے مطالبات کے تقریباً برابر ہیں۔ لیکن وہ مفاہمت کے لئے کانگریس سے زیادہ آمادہ ہے۔ مسلمان جماعت کے کچھ نمائندے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے حامی ہیں اور بعض مشترک کے، بعض نشستوں کا تحفظ تمام صوبوں میں چاہتے ہیں، ان کی اکثریت ہو یا اقلیت بعض محض اقلیت والے صوبوں میں نشستوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں انکی اکثریت قائم رکھی جائے اور جہاں ان کی اقلیت ہے وہاں ان کی اقلیت کے تحفظ کا انتظام کیا جائے اور مرکزی جماعتوں میں اُنھیں ایک تہائی نشستیں دی جائیں، سرکاری دفاتر جماعت عاملہ وغیرہ وغیرہ میں اُن کی نمائندگی محفوظ کر دی جائے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوؤں کی فرقہ وارانہ جماعتیں، اقلیتوں کو کم سے کم حقوق دینا چاہتی ہیں۔ اور یہ مسئلہ ابھی تک باہمی مشاورت اور بحث و مباحثہ سے طے نہیں ہو سکا ہے۔

اب ۲۷ جون کو سکریٹری آف اسٹیٹ نے جو تجاویز پیش کی ہیں ان کے تین پہلو ہیں۔ اولاً یہ کہ ہندوستان کے صوبوں کو خود مختاری فوراً دیدی جائیگی لیکن چونکہ فیڈریشن کے قیام میں ابھی اس وجہ سے عرصہ لگے گا کہ فیڈریشن کے اجزا ابھی مکمل طور پر اس میں شریک ہونے کے لئے طیار نہیں ہیں اسی لئے مرکزی حکومت میں فوراً کوئی تبدیلی نہ ہو سکیگی۔ دوم یہ کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے گورنمنٹ اپنی تجاویز گرمی کے اختتام تک پیش کر دیگی۔ سوم یہ کہ گول میز کانفرنس کو ختم کر دیا جائیگا اور اس کی جگہ ایک مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کا تقرر کیا جائیگا، جس کے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے گورنمنٹ جن نمائندوں کو مناسب سمجھے گی نامزد کر دیگی

فرقہ دارانہ مسائل کے متعلق گورنمنٹ سے تجاویز حاصل کرنے کے معاملہ میں تو تقریباً سب کو اتفاق ہے۔
لیکن سوال یہ ہے کہ آیا گورنمنٹ ایسی تجاویز پیش کرنے میں کامیاب بھی ہوسکتی ہے جو اچھوت ذاتوں، مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے قابل قبول ہوں بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے اس لئے گورنمنٹ کو اس باب میں زیادہ کامیابی کی توقع نہیں رکھنا چاہئے فیڈریشن کے ملتوی کرنے اور صوبوں میں حکومت خود اختیاری فوراً قائم کرنے.......... کی مخالفت کے لئے انتہاپسند اور اعتدال پسند یکساں طور پر آمادہ ہیں اور اس بات کا صریح طور پر اعلان کر چکے ہیں کہ ہندوستان کے لئے کوئی اصلاحی قانون قابل قبول نہیں ہوسکتا جس میں مرکزی ذمہ داری، صوبہ جاتی خود مختاری کے پہلو بہ پہلو عطا نہ کی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوبہ جاتی خود مختاری مرکزی ذمہ داری کی عدم موجودگی میں محض دھوکہ ہے۔ سکریٹری آف اسٹیٹ کے اس اعلان سے کہ مرکزی ذمہ داری اور فیڈریشن فی الحال ممکن نہیں ہے۔ انتہاپسند اور اعتدال پسند دونوں غیر مطمئن رہیں گے۔ اب رہا سوال طریق عمل کا سو انتہاپسند اور اعتدال پسند بھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ ان کی حیثیت محض مشورہ اور گواہی دینے والوں کی سی ہو۔ جس طرح سائمن کمیشن کا بائیکاٹ ہوا اور وہ ناکام رہا، اسی طرح یہ صورت بھی ناکام رہیگی۔ کیونکہ ہندوستان کا خوددار طبقہ محض گول میز کانفرنس کے طریقہ ہی پر اشتراک عمل کیلئے طیار ہوسکتا ہے۔

اب سوال کانگریس کے قلع قمع کا رہ جاتا ہے، سکریٹری آف اسٹیٹ نے اسی کے ساتھ یہ اعلان بھی کردیا ہے کہ آرڈیننس برابر جاری رہیں گے اور جب تک کانگریس اس بات کا دعویٰ کرتی رہیگی کہ وہ تمام قوم کی نمائندہ ہے اسوقت تک کوئی مصالحت کانگریس سے نہیں کی جاسکتی۔

اس لئے بہ حالات موجودہ ہمارے نزدیک سکریٹری آف اسٹیٹ کا یہ اعلان ملک میں امن و سکون پیدا نہیں کرسکتا کیونکہ حکومت نے گول میز کانفرنس کو محو کرکے اس جماعت کو بھی نکتہ چینی کا موقعہ دیدیا ہے جو بڑی حدتک حکومت کے ساتھ اشتراک عمل پر آمادہ تھی

وزیر ہند کے اس اعلان پر جو اعتراضات کئے جارہے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم ایک تو یہ ہے کہ جب گول میز کانفرنس کی وساطت بغیر یہ سب کچھ کرنا تھا تو پہلے ہی کیوں اس کا قیام کرکے خواہ مخواہ لوگوں کو اس میں شرکت کی زحمت دی گئی اور فضول بہت سا روپیہ ہندوستان کا ضائع کیا گیا اور دوسرے یہ کہ آئندہ اصول نظام کی تعین میں چونکہ ہندوستانیوں کو ملک کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے پوری آزادی کے ساتھ اشتراک عمل کا موقعہ نہیں ملیگا اس لئے ملک کبھی اس کے قبول کرنے کے لئے طیار نہیں۔

نیاز

فریب اُمید

قیدی! رنجور، دل شکستہ ۔۔۔ غمگیں، مضطر، ذلیل، خستہ
زنداں کی مصیبتیں اُٹھائے ۔۔۔ بیٹھا تھا غریب سر جھکائے
کتنی بیتاب خامشی تھی ۔۔۔ رگ رگ گویا تڑپ رہی تھی
آئینۂ درد و یاس چہرہ ۔۔۔ آنکھیں سونی، اداس چہرہ
اشکوں کے حجاب میں نگاہیں ۔۔۔ تھم تھم کے لبوں پہ سرد آہیں
ڈوبی ہوئی نبض شادمانی ۔۔۔ پیری سے ضعیف تر جوانی
ناخن لانبے، بڑھے ہوئے بال ۔۔۔ بیحس، مغموم، زرد بیحال
ہر سانس تھی، اک فسانۂ غم ۔۔۔ کھوئی ہوئی زندگی کا ماتم!
ہستی اِک بددعا تھی اُسکو ۔۔۔ گیتی دامِ بلا تھی اُسکو
اب اس کیلئے تھی اِک کہانی ۔۔۔ پچھلی آزاد زندگانی
بے روحِ بہار، ابر تاریک ۔۔۔ دنیا مانندِ قبر تاریک
بے یار و دیار، زار و تنہا ۔۔۔ مدت سے غریب قید میں تھا

آنکھوں میں، مگر بایں الم تھی ۔۔۔ ہلکی سی اُمید کی تجلّی
شاید کوئی راستہ نکل آئے ۔۔۔ زندانِ بلا کا قفل کھل جائے
ہو غیب سے کوئی شکل پیدا ۔۔۔ ممکن ہے کہ رحم کھائے دنیا
شاید نالوں میں کچھ اثر ہو ۔۔۔ اِس شامِ ملال کی سحر ہو

یہ آس جلائے جا رہی تھی
بگڑی کو بنائے جا رہی تھی

لیکن کچھ دن کے بعد دیکھا ۔۔۔ پیشِ زنداں ہجوم سا تھا
حدِ غم سے گزر گیا وہ ۔۔۔ پوچھا تو کھلا کہ مر گیا وہ
کل تک کیا کیا نہ جستجو تھی ۔۔۔ دل میں صد رنگ آرزو تھی!
اللہ رے فریب آرزو کا ۔۔۔ کتنا سادہ عجیب گہرا!!

عمر انصاری (حیدر آباد دکن)

ہوشیار

اِک مشن اسکول کی لیڈی بصد انداز و ناز
دخترانِ ہند سے ہے دیکھ سرگرمِ نیاز

پھر رہی ہے لڑکیوں کی صف میں بل کھاتی ہوئی
ہاتھ میں شانہ لئے زلفوں کو سلجھاتی ہوئی

اِس خمِ گیسو میں ہے پوشیدہ کتنی گیرودار
کچھ خبر بھی ہے تجھے ناواقفِ لیل و نہار

اِک سیاسی لہر ہے اس کاکلِ شبگیر میں
پیچ ڈالے جا رہی ہیں ہند کی تقدیر میں

قوم کو ڈسنے کی خاطر پے بہ پے بل کھائیں گی
کل انھیں زلفوں میں کالی ناگنیں لہرائیں گی

اسکی شانے سے نہ ہو جائیں کہیں سینے فگار
اِس مشن اسکول کی عورت سے یارو ہوشیار

بادِ طوفانی ہوائے سرد بنکر آئی ہے
پیرزن فرہاد کی ہمدرد بنکر آئی ہے

جوشؔ (ملیح آبادی)

کیفیات

ہے تصور میں بھی تہی آغوش — روح بیتاب، دل اذیت کوش
ہو چکا ختم دورِ جوش و خروش — شعلۂ دل ہے اب تو شمعِ خموش
اب میسر کہاں وہ لطفِ شباب — وہ طرب وہ نشاطِ دیدہ و گوش
مطربِ عشوہ ساز نغمہ طراز — ساقیِ مہر چہرہ زلف بدوش
پیکرِ حسن —— جانِ رعنائی — عشرتِ روح —— جنت آغوش
اب وہ کیفِ نگاہِ مہر کہاں — وقفِ رنجِ خمار ہیں مینوش
دل پریشان —— روح افسردہ — کیا قیامت ہے شیونِ خاموش

ہوشیار اے فریب خوردۂ زیست — ہے صدائے نفس نوائے سروش
نقدِ امروز پہ نگاہ نہیں — فکرِ فردا ہے اور ماتمِ دوش

کون ہوتا حریفِ برقِ جمال — تھا وہ خود کیفِ حسن سے مدہوش
ایک اشارے میں ایسی مدہوشی — مرحبا اے نگاہِ بادہ فروش
تابِ نظارۂ جمال کسے — کہ تجلی بھی ہے تجلی پوش

شیشۂ دل میں ہے مئے کوثر
کوکبِ تشنہ لب بنوش بنوش

کوکب (شاہجہاں پوری)

پرچم

اڑ رہا ہے یہ فضا میں کون لہراتا ہوا
تو بہ نو نغمے عروج قوم کے گاتا ہوا
اپنے قدِ برتر و بالا سے شرماتا ہوا
اور جھونکے نوجوانوں کی طرح کھاتا ہوا

عظمتِ اقوام اے رنگیں نشانِ حریت
اے بیانِ حریت ای ترجمانِ حریت
آیۂ رحمت ہے تو میخانۂ اقوام میں
صبح میں تیری تجلی نور تیرا شام میں

اوج ہستی تیرے دم سے تجھ سے معراج حیات
تجھ میں لہریں لے رہی ہے حریت کی کائنات
ہندیوں کی عظمتِ احساس کے آئینہ دار
یعنی غیرت مندیوں کی غیر فانی یادگار

تیرے رنگوں میں اصول زندگی کا راز ہے
زندگی کا راز ہے تابندگی کا راز ہے
تیری جنبش سے ہے لرزش گردش ایام میں
انقلاب ہند پوشیدہ ہے تیرے نام میں

رات دن ہے ہمت تحریک بیداری تجھے
وجہ بے تابی ہے قوموں کی نگوں ساری تجھے

اے مری روح وطن جانِ وطن شانِ وطن
تیری ہر اک موج سے راسخ ہے ایمانِ وطن
تو وہ روحانیتِ محسوس ہے اقوام کی
جس کو سجدے کر رہی ہے زندگی میں بیخودی

وہ جو اک گنبد ہے جنت میں طلائی رنگ کا
جس سے اک نکلا ہے چشمہ نقرئی آہنگ کا
اُس کے اوج نور پرورده پہ لہراتا ہے تو
کیف میں اُسکے کلس کو چوم چوم آتا ہے تو

رفعتِ طوبیٰ ازل ہی سے ودیعت ہے تجھے
بے تکلف عرش بوسی کی اجازت ہے تجھے
عرش کے پردوں کو بھی اکثر اٹھا آتا ہے تو
لامکاں کی سرحدِ آخر سے ٹکراتا ہے تو

عرش و کرسی تیری موجِ ہست کا گہوارہ ہیں
بوسہ دینے کے لئے قدسی بہت آوارہ ہیں
تیرے قدموں میں ہے زنجیر غلامی پاش پاش
ظلم کے دل میں تری منظر سے ہے گہری خراش

مستقل آواز ہے تو اک مکمل احتجاج
ظلم سے تو ہی طلب کرتا ہے نیکی کا خراج

تیری بنیادیں وطن میں اب ہلا سکتا ہے کون؟
تجھکو اوجِ کامیابی سے گرا سکتا ہے کون؟

خیمہ زن ہو دیر سے اہل وطن کے دل میں تو
جلوہ گر ہے آج شیخ و برہمن کے دل میں تو
اے کہ تو ہے ضامن آزادیٔ ہندوستاں
اے کہ تو ہے باعثِ آبادیٔ ہندوستان

اے نشانِ زندگی اے گلہ بانِ زندگی　　ناقۂ ہندوستان کی ساربانِ زندگی
خوں شہیدوں کا ہے تجھ میں رنگ افروزِ حیات　　تجھ میں پوشیدہ ہے اک سازِ وفا سوزِ حیات
تیرے پیچھے خاک و خوں تک میں اٹا جائینگے ہم　　تیری عزت کیلئے میداں میں کٹ جائینگے ہم
اپنی لاشوں پر تجھے قائم کریں گے ایکبار　　تیرے دامن کو بنا دیگی فضائے لالہ زار
"نغمۂ غم" کے علاوہ نغمۂ شادی بھی ہو　　سایہ میں تیرے کبھی اعلان آزادی بھی ہو
نغمۂ قومی ہو اور مسرورِ اقوامِ وطن　　بادۂ تازہ سے ہو لبریز ہر جامِ وطن
ثبت ہو جائے دلِ عالم پہ تیری برتری　　خوف سے لرزے میں آجائے شکوہِ سروری

اعترافِ سربلندی میں سر اپنے خم کریں
جی میں آتا ہے کہ تجھکو سجدۂ پیہم کریں

ساغر (نظامی)

عشق کا دیوتا

ذہنِ فطرت میں یہ خیال آیا　　غیر فانی کوئی وجود بنائے
زیست میں جس سے شان پیدا ہو　　موت جسکے جلال سے تھرائے
دامنِ صبح میں بہت سے نجوم　　گرمیٔ آفتاب سے پگھلائے
نورِ مہتاب کی جبیں سے لیا　　شام کی سرخیوں سے رنگ چرائے
توڑ کر آفتاب کی کرنیں　　سیکڑوں محتشم حجاب بنائے
اور ان میں کمالِ حکمت سے　　بے بہا سرمدی جمال بسائے

آخر اس با ثبات پیکر میں　　دوش پر نکہتوں کا بار اُٹھائے
ہلکا ہلکا سا سانس جاری ہوا　　جس کی گرمی سے موت کملا جائے
عشق کا دیوتا تھا نام اس کا　　دیکھکر جس کو روح گرما جائے

رزمِ ہستی میں اس طرح آیا　　ہاتھ میں زندگی کی تیغ اٹھائے
چشمِ مسگوں میں خون اترا ہوا　　ہر قدم پر نگاہ بھری جائے

وجد میں آکے زندگی جو ہنسی
موت کے دل پہ گر گئی بجلی

باقی صدیقی (سہام)

غزلیات :- عابد شاہجہانپوری

دل گم گشتۂ منزل نہیں منزل سی بیگانہ — میں حاصل آشنا تھا جب ہوا حاصل سی بیگانہ
تجلی کا یہ عالم ہی کہ نظریں تک نہیں اٹھتیں — دل ناکام تھا اس پردۂ حائل سے بیگانہ
میں ڈرتا ہوں کہ احساس تمنا بھی نہ مٹ جائے — رہیگا کوئی کب تک سرگذشت دل سی بیگانہ
دل مضطر اٹھا جاتا ہے یہ احساس بھی اب تو — کہ منزل آشنا نظریں ہیں یا منزل سی بیگانہ
لئے ہی ذرہ ذرہ عالم ہنگامۂ محشر — مگر وہ چشم بے پروا ہی خاک دل سے بیگانہ
کھنچی ہی شکل نظروں میں مآل سعی پیہم کی — سر منزل دل وارفتہ ہی منزل سی بیگانہ
نگاہیں آشنائے جادۂ منزل ہوئیں شاید — کہ اب ہر گام پر میں ہوں سکون دل سی بیگانہ
نگاہ شوق میں عابد رہا احساس جلووں کا — کہ بیگانہ بھی ہو کر میں نہ تھا منزل سی بیگانہ

کوکب شاہجہانپوری

اے سراپا ناز اے ناز آفریں اے محو ناز — نقش حسرت ہی دل وارفتۂ جوش نیاز
اب تو عرض حال سے بھی ہو گئے ہم بے نیاز — ہر سرشک غم ہے اک افسانۂ سوز و گداز
سلب کرلی طاقت دیدار فرط شوق نے — قسمت اہل نظر ہی جلوۂ حیرت طراز
رفتہ رفتہ درد خود بن جائے گا اپنی دوا — چھوڑ دے بیمار کو بیمار پر اے چارہ ساز
کہہ رہا ہوں واردات دل زبان حال سے — ہر کوئی محرم آشنائے خلوت راز و نیاز
ہوش میں تھا کون اے کوکب محیط بزم تھی — شوخیٔ رنگ تبسم مستیٔ صہبائے ناز

ناطق گلاوٹھوی

راہ گم کردہ وجود تفرقہ پرداز کے — ہم ہیں محو جستجو کھوئے ہوئے ہمراز کے
ہچکیوں پر ہو رہا ہی زندگی کا راگ ختم — جھٹکے دیکر تار توڑے جا رہے ہیں ساز کے
نالۂ پیہم ہے انداز سکوت اہل درد — ہیں کہاں پہچاننے والے مری آواز کے
لے گیا کوئی بہار زندگی کو لوٹ کر — اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ چرچے نیاز و ناز کے
لے چلے ہیں لوگ ناطق ہم کو بزم ساز میں — واسطے دیکر ہماری خاطر ناساز کے

معلومات

ماورائے مریخ تک

حال ہی میں، ایک ایسی نلکی ایجاد ہوئی ہے جس سے ایک ریڈیو شعاع لاکھوں میل تک پہنچائی جاسکیگی یہ شعاع کرۂ مریخ سے بھی گذر جائے گی جو زمین سے ۳ کروڑ پچاس لاکھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے -

یہ شعاع تمام گذشتہ شعاعوں سے دس گنا زیادہ طاقتور ہے اور وہ آلہ جس کے ذریعہ سے یہ شعاع منتقل کی جائے گی اپنی ساخت کے لحاظ سے بہت سادہ و مختصر ہے - یعنی اس کی لمبائی ۱۳ انچ سے بھی کم ہے اور ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ اس سے کام لے سکتا ہے - ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی تکمیل کے بعد تمام وہ فائدے جو اس وقت کرۂ زمین پر ریڈیو کے ذریعہ سے حاصل کئے جاتے ہیں وسیع فضا کے اور دوسرے کروں سے بھی حاصل ہو سکیں گے - یعنی اگر آج ہم ایک شخص کی آواز اور تصویر ہندوستان سے لندن تک چند لمحوں کے اندر منتقل کر سکتے ہیں تو کل اس جدید آلہ کی وساطت سے ہم دوسرے کروں کے باشندوں تک بھی اپنا پیام اور کرہ زمین کے مناظر کی تصاویر پہنچا کر وہاں کی آواز اور تصویر حاصل کر سکیں گے -

ہر چند ابھی تک یہ امید خیال آرائی کی حد سے آگے نہیں بڑھی لیکن چونکہ یہ دور "شعاعوں کا دور" کہلاتا ہے اور ہنوز ترقی کے وہ تمام امکانات جو شعاعوں سے وابستہ ہیں، ابھی تک عملی طور سے بروئے کار نہیں آئے ہیں - اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس جدید آلہ کے مستقبل کے ساتھ انسان کے کتنے غیر معلوم انکشافات وابستہ ہیں -

لکھنؤ میں رباعیات خیام کا ایک بے بہا نسخہ

حال کی "ایشیاٹک سوسائٹی بنگال" کے ایک جلسہ میں پروفیسر محفوظ الحق نے بیان کیا کہ رباعیات خیام کا قدیم ترین نسخہ اس وقت لکھنؤ میں ہے اور جس کی طرف اس وقت تک کسی کو توجہ نہیں ہوئی - یہ نسخہ اتفاق سے مسٹر گوپر شاد سکینہ (لکھنؤ) کی نگاہ سے گذرا جو قدیم مخطوطات کے فراہم کرنے کے بڑے شائق ہیں اور انھوں نے اس نسخہ کو حاصل کر لیا

اس لئے اس وقت ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ خیام کے دو نہایت ہی قدیم بے بہا نسخوں کا مالک ہے۔ گذشتہ ایک صدی کے اندر، اکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری (Boldein Library) کا مشہور نسخہ جو اوُسلے (Ouseley) کے نام سے موسوم ہے اور جس پر ۱۴۶۰ء کی تاریخ درج ہے۔ دنیا کا قدیم ترین نسخہ خیال کیا جاتا تھا اور تمام دنیا کے علما ان رباعیوں کے متعلق جو خیام سے منسوب کی جاتی تھیں اسی کو دیکھا کرتے تھے۔ لیکن اس جدید نسخہ کی دریافت سے جس پر ۱۴۲۳ء کی تاریخ درج ہے اور اس لحاظ سے وہ بوڈلین نسخہ کے مقابلہ میں چالیس سال زیادہ قدیم ہے تمام دنیا کی توجہ ہندوستان کی طرف مبذول ہو جائے گی اور عمر خیام کے شائقین اس کی اشاعت کا نہایت دلچسپی سے انتظار کریں گے۔ پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے معلوم کیا ہے کہ کل ۲۰۶ رباعیات میں ۵۵ ایسی رباعیات ہیں جو موجودہ تمام دیگر نسخوں اور ایڈیشنوں میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ۵۰ سے زیادہ بالکل نئی رباعیات دنیا کے سامنے آگئی ہیں۔ ہر چند ان تمام رباعیوں کے متعلق یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب خیام کی ہی ہیں لیکن اس بات کے تسلیم کرنے کے لئے کافی وجوہ ہیں کہ ان میں سے کچھ رباعیاں ضرور خیام ہی نے تصنیف کی ہیں اس لئے اکتشاف سے جو تحقیق و کاوش علمی کے لئے ایک وسیع میدان پیدا ہو گیا ہے اُس سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سمندر کے نیچے سے گھنٹیوں کی آواز

جزائر ویسٹ انڈیز کے قریب سے گذرنے والے بحری مسافروں کو پُراسرار گھنٹیوں کے بجنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ آوازیں سمندر کی گہرائیوں میں سے پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مقامی آدمیوں کو انھیں سنکر کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ یہ بندرگاہ رایل کے گرجے کی گھنٹیاں ہیں جو اُن بد اطوار آدمیوں کی روحوں کے لئے بجتی رہتی ہیں جو یہاں ڈوب کر مر چکے ہیں۔

ایک زمانہ میں بندرگاہ رایل کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ امریکہ کے سخت ترین پُرمعصیت شہروں میں سے ہے۔ وہاں کے زاہد اور پاکباز لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دو سو چالیس سال قبل یہ شہر خدا کے حکم سے سمندر میں غرق ہو گیا کیونکہ یہاں جرم و معصیت انتہا کو پہنچ چکی تھیں اور سمندر کے رہزن و قزاق یہاں لوٹ کا مال لاتے تھے اور اسے بے دردی سے اُن عورتوں کے ساتھ تعیشات اور رنگ رلیوں میں صرف کرتے تھے جو اُنھیں کی طرح بے شرم اور گناہ گار تھیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس غرق شدہ شہر کی بہت سی عمارتیں ابھی تک جوں کی توں پانی کے نیچے قائم ہیں

اور پرانے گرجا کی کھڑکیوں اور دروازوں سے جب مچھلیاں گذرتی ہیں تو گھنٹہ جنبش میں آجاتا ہے اور اس سے آواز پیدا ہونے لگتی ہے۔

اس غرق شدہ شہر کے مکانوں کی چھتیں جب سمندر پر سکون ہوتا ہے اب بھی نظر آتی رہتی ہیں۔

مصنوعی دل

ایک برطانوی ماہر سائنس نے ایک مصنوعی دل بنایا ہے جو جانوروں میں دوران خون کو اس وقت بھی جاری رکھتا ہے جب کہ ان کا دل ان کے جسم سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ دل پیتل کا بنا ہوا ہے۔ اور گبس (Gibbs) اس کا موجد ہے۔ بیہوش کرنے والی دواؤں کے زیر اثر اصلی دل نکال لینے کے بعد کتے بلیاں، خرگوش اور دوسرے بڑے جانور اس مصنوعی دل کی مدد سے کئی گھنٹہ تک زندہ رہتے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ اطبار اور طلبہ جانور کے جسم میں جو دوران خون ہوتا ہے اُسے طبعی حالت میں دیکھ سکتے ہیں اور نیز ان دواؤں اور رنگوں کے اثرات کا مطالعہ کر سکتے ہیں جو خون میں بیرونی ذرائع سے داخل کئے جاتے ہیں۔ اگر اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوگئی تو غالباً انسان پر بھی اس کا تجربہ کیا جائیگا۔ اور اس کا نتیجہ کوئی مفید نکلے لیکن ڈاکٹروں کے ہاتھ ایک مشغلہ اچھا ہاتھ آجائیگا۔ اور شعرا کا دعوائے بے دلی خطرہ میں پڑ جائیگا۔

آگ لگنے سے محفوظ رکھنے والا کاغذ

جرمنی میں ایک نئی شے دریافت ہوئی ہے جو چھت بنانے اور دیواروں پر لپیٹے جانے کے لئے خصوصیت کیساتھ موزوں ہے وہاں کے مکانات کی تعمیر میں اس کا رواج عام ہوتا جارہا ہے اور ڈاکٹر ڈی- آئی گین گروٹن نے اس کے متعلق جو تجربات کئے ہیں اُن سے نتائج تشفی بخش پیدا ہوئے ہیں اس کے استعمال سے مکان آگ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا دلندا کھردرا کاغذ ہوتا ہے اور جب آگ اس کے قریب آتی ہے تو بجھ جاتی ہے اور اس میں سے دھواں اور گیسیں نکلنا شروع ہوجاتی ہیں جو شعلوں کو بالکل دبا دیتی ہیں۔

"تھرماس" کے طرز کی عمارت

حال میں، امریکہ میں ایک "معمل تھرماس" کے اصول پر طیار کیا گیا ہے اس کے اندر نہ باہر کی گرمی آسکتی ہے نہ اندر کی گرمی باہر جاسکتی ہے، ایسے تجربات یہاں آسانی کے ساتھ کئے جاسکتے ہیں جن کے لئے ایک خاص درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ باہر کی جانب ہر طرف کارک کا موٹا خول چڑھایا گیا ہے اور پھر ایک تہ اینٹوں کی دی گئی ہے اگر کمرے کے اندرونی حصہ کو ایک مرتبہ ۶۰ ڈگری تک گرم کر دیا جائے اور بعد کو بالکل گرم نہ کیا جائے تو بھی سخت ترین سردی میں ایک ماہ کی مدت میں اس کی حرارت صرف ایک ڈگری کم ہوگی۔ معمل کا مقصد یہ ہے کہ دریافت کیا جائے کہ مختلف درجہ ہائے حرارت پر دقائق سے کس قسم کی روشنیاں نکلتی ہیں۔

جگر[1] و رفیق فتحپوری

جگر۔
اللہ اللہ رے وارفتگی عشق مری
اس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے

اعتراض - شعر کا دوسرا مصرعہ بے ربط ہے۔ کیونکہ عشق کی وارفتگی اور حسن کی دیوانگی سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ دوسرے حسن کا دیوانہ ہونا بھی عجیب معمہ ہے۔ اگر حضرت جگر کا یہ مطلب ہے کہ وارفتگی عشق سے کچھ تعجب نہ ہونا چاہئے کہ جس جگہ میں ہوں وہاں حسن بھی دیوانہ ہے۔ تو یہ مطلب سوائے حضرت جگر کے دوسرے کی سمجھ میں نہیں آسکتا اگر جناب جگر نے شعر میں یہ خیال نظم فرمایا ہے کہ اللہ اللہ رے وارفتگی عشق کہ جہاں جاتا ہوں حسن بھی

---

[1] جگر صاحب کا نام علی سکندر ہے۔ مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ مگر عرصہ ہوا ترک وطن کر چکے۔ اب شاید بھول ہی کر کبھی وہاں جاتے ہوں۔ سنا ہے کہ پہلے اثنا عشری تھے اب مذہب اہل تسنن اختیار کر لیا ہے۔ نہایت آزاد مزاج اور بے پروا آدمی ہیں۔ آپ کے کلام میں ایک کیف وجدانی ہے۔ جس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو ازلی ذوق رکھتے ہیں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ راقم تذکرہ سے ملاقات ہے اور بے تکلفانہ ملاقات ہے۔ آپ حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ مشاعروں میں نہایت عمدہ طریقہ سے پڑھتے ہیں اور اسی اثر سے ہر مشاعرہ میں قریب قریب اپنی غزل کو کامیاب بنا لیتے ہیں۔ الفاظ میں جدت ضرور ہے۔ مگر ایک لفظی دائرہ ہے جس سے غالباً کوئی شعر باہر نہیں ہوتا پھر بھی قبول خاطر و لطف سخن خدا داد ست والا مضمون ہے۔ اب آپ ملک کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ داغ جگر آپ کا ایک مختصر دیوان طبع ہو چکا ہے جس پر مرزا احسان احمد بی اے۔ ایل ایل بی نے ایک مقدمہ لکھا ہے۔ میں نے بھی ایک مرتبہ یہ دیوان دیکھا تھا۔ اس میں لکھنؤ کے بعض مشاہیر مثلاً عزیز و صفی وغیرہم سے شاید جگر کے کلام کا موازنہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ تو ضرور ہے کہ جگر کا رنگ بہت بہتر ہے۔ مگر پھر بھی اس کلیہ سے انکار کرنا دشوار ہے کہ ہر گلے را رنگ دیگر بوئے ہست اس میں مرزا صاحب نے انہیں فصیح الملک داغ مرحوم سے بھی آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ گر داغ نے جو زمانہ پایا تھا اُس کے لحاظ سے اُن کا رنگ بہت ہی بہتر تھا۔ اب زمانہ بدل گیا۔ خیالات میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اگر داغ ہوتے تو شاید ان کے خیالات بھی بدل جاتے اور وہ بھی اسیطرف جاتے جدہر سب جا رہے ہیں۔ اسی سے متاثر ہو کر جناب رفیق فتحپوری نے ایک مضمون لکھا تھا جو رسالہ آئینہ ماہ جولائی سنہ ۲۳ء میں چھپا تھا۔ میں جناب رفیق سے واقف نہیں نہ ان کے حالات پیش نظر ہیں۔ لہذا صرف اعتراضات پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ باتیں بھی چھوڑے دیتا ہوں جو جناب رفیق کے لئے موجودہ تنقید و تنقیص نگاروں کی حیثیت سے ضروری ہیں مگر میرے نزدیک غیر ضروری ہیں۔ بہر حال اعتراضات و کلام جگر ملاحظہ ہو۔

دیوانہ ہوجاتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر عاشق کی وارفتگی بقول جگر حسن کی دیوانہ کرنے والی ہوتی تو جتنے حسین ہیں سب کا حسن دیوانہ ہوکر کسی صحرائے لق ودق میں خاک اڑاتا اور کوئی حسین اپنے حواس میں نظر نہ آتا۔ اس شعر میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حسن ذی روح نہیں ہے۔ اور نہ حسن جسم رکھتا ہے۔ دیوانہ ہونے کے لئے جسم وجان کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر مرزا صاحب روشنی شمع یا نور سحر وغیرہ اپنی منطقی دلیل سے ثابت کردیں تو بیشک میرے قائل ہوجانے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ ہوگا۔

(مولف) شعر اپنے ظاہری معنے میں صاف ہے۔ کہ میرے عشق کی وارفتگی مجھے وہاں لے پہنچی ہے جہاں خود حسن بھی دیوانہ ہے۔ رفیق صاحب کا یہ فرمانا کہ حسن کا دیوانہ ہونا بھی عجیب معمہ ہے۔ بے معنی بات ہے یہ سب مفروضہ باتیں ہیں۔ ورنہ نہ اصل میں عشق دیوانہ ہے نہ حسن۔ عشق ایک مرض ہے جو مریض کی نظر میں معشوق کو حسین کرکے دکھا دیتا ہے۔ اور اس کے اثرات اس کے دماغ میں گونج جاتے ہیں۔ ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر حسن بھی دیوانہ ہے تو پھر عشق کا وجود کیوں باقی ہے۔ کیونکہ عشق ہمیشہ حسن کے کمال اور شائستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب حسن میں ایک نقصان موجود ہے تو پھر عشق کا وجود وہاں کیوں ہے۔ یا حسن نے جب عشق کی صفت قبول کرلی ہے تو اس کو حسن کے نام سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے۔ نہ حضرت رفیق کا یہ فرمانا مصنف کے قول کی رہبری کرتا ہے کہ وارفتگی عشق سے تعجب نہ ہونا چاہئے۔ کہ جس جگہ میں ہوں وہاں حسن بھی دیوانہ ہے۔ اس واسطے کہ اللہ اللہ ہمیشہ محل تعجب میں استعمال ہوتا ہے نہ سلب تعجب پر۔ یا جہاں جاتا ہوں حسن بھی دیوانہ ہوجاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ اسی طرح دوسرے سوالات بھی بے معنی ہیں مگر صرف دو باتیں ذرا غور طلب ہیں کہ حسن دیوانہ ہے تو پھر عشق کیوں ہے اور اس کو عشق ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ حسن کی دیوانگی کا سبب کیا ہے رہا یہ کہ عشق کو یا حسن کو شخص کیوں کیا گیا کیونکہ دیوانگی وجود کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کا جواب وہی ہے کہ یہ مفروضات ہیں۔ اور ایسے ایسے ہزاروں شعر ملیں گے مولانا روم فرماتے ہیں۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

لکھنے والا اگر یہ کہے کہ عشق کوئی مجسم چیز نہیں ہے اس کے عقل نہیں دماغ نہیں تو وہ طبیب کیونکر ہوا اس حالت میں معترض کی کوتاہی عقل تسلیم کی جائے گی۔ پھر بھی یہ شعر بالکل الجھا ہوا اور قریب قریب بے معنی ہے۔ اس کے الفاظ اور حسن بندش جس قدر چاہیں دھوکہ دے لیں باقی ہمہ ہیچ

جگر۔　منزل عشق میں اللہ رے یہ عالم شوق　　ہر قدم پر مرا انداز جداگانہ ہے

اعتراض - جناب جگر جو یہ فرماتے ہیں کہ منزل عشق میں اللہ رے شوق کا عالم کہ ہر قدم پر انداز جداگانہ ہے کیا معنی رکھتا ہے - اگر منزل عشق میں کسی کی حسرت دیدار میں شوق کا یہ عالم ہے کہ ہر قدم پر انداز جداگانہ ہو رہا ہے تو شعر المعنی فی بطن الشاعر کا مصداق ہوا جاتا ہے اور اگر منزل عشق میں حضرت جگر کا یہ عالم شوق شراب دو آتشہ کے حوض میں غوطے لگا رہا ہے جس کے سبب سے ہر قدم پر انداز جداگانہ ہو گیا ہے تو دوسری بات ہے -

(مولف) حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض معترض کی عدم معلومات پر مبنی ہے - اصل میں وہ اس مصرع کی تشریح چاہتے ہیں کہ ہر قدم پر مرا انداز جداگانہ ہے - حالانکہ اس کو اگر اجمال وکنایہ کے طریق پر سمجھا جائے تو بہت ہی بہتر ہوگا - اس سے جو تنوع معنی پیدا ہوتا ہے وہ شعر کی خوبی پر دال ہے - دنیا خاقانی کے اس شعر کو محض اسی وجہ سے پسند کرتی ہے کہ اس میں ایک اجمال ہے -

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت   خاقانی را دگر شب آمد

اب خیال فرمایئے کہ وہ خاقانی را دگر شب آمد کے کتنے معنے پیدا ہوتے ہیں - اگر خاقانی یہ کہتا کہ خاقانی کا نالہ سنکر ہمسایے نے کہا کہ اس غریب کو روتے روتے دوسری رات آگئی - تو وہ ہرگز اتنے لطیف نہ ہوتے جس قدر کہ اس اجمال سے ہو گئے - اور جس قدر اس سے مختلف معنی پیدا ہو گئے -

غالب کا یہ شعر ؎ ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں   ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات ایک مجمل فقرہ ہے جس سے بیسوں معنی پیدا ہوتے ہیں اگر وہ کہدیتے کہ میں اپنے معشوق کے خوف سے چپ ہوں تو ہرگز لطف باقی نہ رہتا -

---

جگر - ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے   کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے

اعتراض - حضرت جگر کا یہ مطلع کسی قدر ضرور بہتر ہوتا - لیکن چند عیوب کی وجہ سے بندش کی خوبی بھی چھپ گئی - اگر یقین نہ ہو تو مرزا صاحب (احسان احمد) خود مطلع کی نثر کر کے ملاحظہ فرمالیں میرے خیال میں یہی نثر ہو سکتی ہے - کہ وہ مجھے ہر سو جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں - میری نظر مجھے کیا کیا فریب دیتی ہے - اب اس شعر کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دونوں مصرعوں میں مجھے مجھے کا نظم کرنا کس قدر ناموزوں ہے جو جناب جگر نے مطلع بنانے کی غرض سے دونوں مصرعوں میں مجھے نظم کیا ہے - حالانکہ مجھے کی بے ضرورت تکرار نے فصاحت کی خوبی کا خون کر ڈالا - اگر اسی مضمون کو بجائے مطلع کے شعر میں نظم کیا جاتا تو بیشک شعر سطحی نظر سے دیکھنے میں کچھ اچھا نظر آتا - مطلع کے مصرع ثانی میں "کیا کیا نے اور بھی معنے پست کر دیئے - در اصل جناب جگر نے یہ مضمون نظم کرنا چاہا تھا کہ میری نظر مجھے کیا فریب دے رہی ہے کہ وہ مجھے چاروں طرف نظر آرہے ہیں - کیا کیا اس موقع

پڑھانا چاہیے تھا۔ جبکہ مطلع میں یہ مضمون ہوتا کہ کبھی وہ بے نقاب سامنے آجاتے ہیں۔ اور کبھی پردہ شب تار میں پوشیدہ ہو کر دہم کے سے بھی وہم و گمان میں نہیں آتے۔ اگر اس خیال کے ساتھ "کیا کیا" کے الفاظ مطلع کے اندر بند ش میں لائے جاتے تو البتہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہاتھ آتا یعنی ایک کیا کا اشارہ بے نقاب سامنے آجانے کی طرف ہوتا اور دوسرے کیا کی عنان پردہ شب تار میں پوشیدہ ہو جانے کی طرف آسانی سے مڑ جاتی۔ بلکہ اگر حضرت جگر اس مطلع کا مصرع اولیٰ تبدیل کرنے کے بعد مصرع ثانی میں بجائے مکرر کیا کے یوں تحریر فرماتے ؎

اف کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے

تو سوائے ایک مجھے کی ردیف زاید ہونے کے کوئی عیب نہ رہتا۔ اب مرزا صاحب انصاف کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمائیں کہ کیا کی جگہ اُف کا لفظ بڑھا دینے سے کیا حسن پیدا ہو گیا۔ ابھی حضرت جگر کو کسی کامل فن سے برسوں اصلاح لینے کی ضرورت ہے۔

(مولف) اس اعتراض کو دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ردیف مجھے میں ایک ردیف بیکار ہے۔ دوسرے کیا کیا بیکار ہے۔ میرے نزدیک یہ غلط ہے اس واسطے کہ نظم کی غلطی نکالنے کا معترض نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ نثر کر کے دیکھی جائے اگر لفظ کی ضرورت ثابت ہو تو وہ شعر میں درست ہے ورنہ زاید ہے۔ اسی اصول کی بنا پر معترض نے نثر کی اور اتنی سی عبارت میں دو جگہ نثر کی۔ مگر لطف یہ کہ دونوں جگہ دو دو مرتبہ مجھے لائے اور اسکے بغیر کام نہیں چلا۔ لہٰذا آسانی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ معترض کا خیال غلط ہے۔ رہا کیا کی تکرار وہ بھی مخل فصاحت نہیں۔ داغ کہتے ہیں ؎

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں   انکی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

ایک نہایت مشہور شعر ہے

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا   بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو:۔

کونسی کی نہ دوا کونسی مانگی نہ دعا   ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لئے

حاکم[۱] لاہوری و خان آرزو

---

[۱] حاکم تخلص اور حکیم بیگ خاں نام تھا' لاہور کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد شادماں خاں توم اور نگ کے نہایت مشہور و معروف آدمیوں میں سے تھے۔ ان کی دادی قاضی میر یوسف کی صاحبزادی تھیں جو ہرات کے سادات میں سے تھے اور بلخ میں عہدہ قضا پر مامور تھے۔ شادماں خاں عالمگیر کے زمانہ میں ولایت سے آئے اور نہایت (ملاحظہ ہو فٹ نوٹ بقیہ صفحہ ۸۵ پر)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۴) عزت واحترام کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ عہد محمد فرخ سیر میں منصب سہ ہزاری پر اور بعدہ منصب پنجہزاری و نوبت وعلم ونقارہ سے سرفراز ہوئے اور لاہور میں رہنے لگے چنانچہ حکیم بیگ خاں یہیں پیدا ہوئے۔ اور یہیں منصب جلیلہ پر ممتاز ہو کر خطاب خانی پایا۔ آخر عمر میں دنیا کے سب جھگڑے چھوڑ کر فقیر ہوگئے دلی۔ کشمیر کی سیر کی اور نو رعین واقف کی معیت میں ۱۱۶۲ھ میں حیدرآباد گئے۔ یہیں سے دونوں بندر سورت کی طرف بارادہ حج روانہ ہوئے مگر واقف بیمار ہو گئے اس واسطے جا نہ سکے اور حاکم سمندر کا سفر کر کے حرمین شریفین پہونچے حج کرنے کے بعد ۱۱۷۵ھ میں واپس آئے اور اورنگ آباد پہونچے اور چندروز قیام کیا یہیں شعراء کا ایک تذکرہ لکھا۔ جو اب ناپید ہے اس میں وہ لوگ تھے جن کو مصنف نے دیکھا تھا۔ تحفۃ المجالس اس کا نام تھا۔ مگر مولانا غلام علی نے ایک بہترین نام تجویز کیا تھا۔ اس وجہ سے اصلی نام چھوڑ کر حسب الارشاد آزاد "مردم دیدہ" اس کا نام رکھا گیا تھا۔ تذکرہ تمام کرنے کے بعد حیدرآباد سیر و سیاحت کے لئے گئے تھے اور اس کے بعد پھر اورنگ آباد آئے۔ اور چندے قیام کر کے انیسویں صفر ۱۱۷۵ھ وطن کے ارادے سے چلدیئے۔ چونکہ مالوہ اور برہانپور کا راستہ خطرے سے خالی نہ تھا اس خیال سے برار اور چھتر پور کا راستہ اختیار کیا۔ مگر اتفاق کا کیا علاج ہے۔ جو صورت اس راستہ سے خطرہ کی صورت میں تھی اد ہر واقعہ کی صورت میں پیش آگئی۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں نے تمام مال ومتاع اور اسباب ضروری چھین لیا۔ اور یہ دونوں یونہی رہ گئے۔ اتنا غنیمت تھا کہ دونوں پر قاتلانہ حملہ نہیں ہوا اور جان کا نقصان نہیں ہوا۔ ان دونوں نے مولانا غلام علی آزاد کو خط لکھکر کچھ منگایا اور چلدیئے۔ مگر چونکہ دور دراز کا راستہ تھا اس لئے روپیہ کافی نہ ہوا۔ جب یہ دونوں کولا پور پہونچے تو یہاں سے پھر ایک قاصد پہونچا۔ مولوی غلام علی آزاد نے پھر کچھ روپیہ بھیجا آخر کار دوسری شوال ۱۱۷۵ھ کو یہ لوگ اپنے وطن کے قریب پہونچ گئے۔

حاکم نے جب اپنا دیوان مرتب کر لیا۔ تو سراج الدین علی خان آرزو کے پاس لے گئے اور کہا کہ آپ ایک مرتبہ اس پر نظر ڈال لیجئے اور جو کچھ فروگزاشت ہو اس کو پورا کر دیجئے۔ خان آرزو نے پہلے تو بہت انکار کیا آخر جب حاکم نے بہت اصرار کیا۔ تو انھوں نے دیوان رکھ لیا۔ اور دو مہینے کے بعد نظر ثانی کر کے واپس کر دیا۔ درمیان میں جو جو اعتراضات اور باتیں سمجھ میں آئیں وہ سب حواشی پر لکھتے گئے۔ حاکم نے دیوان لیکر رکھ لیا۔ مدت کے بعد جب دہلی سے یہ لاہور گئے تو ان کے دوست وارستہ سیالکوٹی ان سے ملنے کے لئے پہونچے جب ملے تو دیکھنے کے لئے حاکم کا دیواں مانگا۔ انھوں نے دیوان دیدیا۔ اب جو وارستہ دیکھتے ہیں تو ہر جگہ اعتراضات اور ایرادات کا بے پایاں انبار لگا ہوا تھا۔ کچھ اعتراض ایسے تھے جو حاکم کی نظر میں غلط تھے۔ کچھ اعتراضات واقعی تھے۔ ان کو بڑا تعجب ہوا۔ کیونکہ یہ خان آرزو کے بڑے معتقد تھے۔ یہاں معاملہ برعکس دیکھا۔ اسپر حاکم نے ان سے کہا کہ بھئی کسی طرح ان اعتراضات کا جواب دو انھوں نے پہلے از راہ انکسار انکار کیا۔ آخر یہ سمجھکر کہ خان آرزو نے میرے ایک دوست کی زبردستی تذلیل کی ہے اسواسطے کہا بہت اچھا جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے لکھتا ہوں اور اسی کے ساتھ ان اعتراضات کا بھی جواب دیا جو خان آرزو نے منیر پر کئے تھے مولانا غلام علی آزاد کہتے ہیں کہ اس رسالہ کا نام جواب شافی رکھا تھا۔ مگر میرے پاس وہ رسالہ قلمی موجود ہے اسپر محاکمات

حاکم۔ بسکہ وارد صرفہ از ما گرد جولان ادا   میرود از دست تمکیں چیدہ دامان ادا

اعتراض خان آرزو۔ معلوم نہیں کہ صرفہ یہاں کس معنی میں استعمال کیا گیا

جواب وارستہ۔ یہاں صرفہ بمعنی احتیاط لایا گیا ہے۔ غالباً اس معنی میں خان آرزو کو تردد ہے۔ لہذا اسی معنی میں اساتذہ کے اشعار یہیں ملاحظہ ہوں۔

ظہوری۔ صبر کے راہ شوق می گیرد   صرفہ جنگ در گریز مرا

شاہ محمود کی تعریف کرتے ہوئے صلہ نہ دینے کے بارہ میں کہتا ہے۔

شہ غزنوی گرچہ تقصیر کرد   تلافی خدیو جہانگیر کرد

ازیں صرفہ کاری شد ایں سود او   کہ مذموم شد نام محمود او

طالب آملی۔ مکن صرفہ مے باسراف کوشش   خم از تست چندانکہ خواہی بنوش

محسن تاثیر۔ نقد ہستی بر ہش گر ہمہ ایثار کنم   صرفہ از دست سر زلف تو یک مو نہ دہد

(مولف) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم ثبوت میں پیش کئے ہوئے تینوں شعروں کے معنے لکھدیں نمبر اول کے شعر سے نزدیک احتیاط کے معنے نہیں نکلتے بلکہ فائدہ کے معنے ہیں یعنی۔ صبر راہ شوق کب بند کرتا ہے۔ لڑائی میں میرا فائدہ یہی ہے کہ میں بھاگ جاؤں۔ دوسری جگہ بھی صرفہ کے معنی احتیاط کے نہیں نکلتے۔ بلکہ مکر و حیلہ کے معنی ہیں۔ یعنی۔ بادشاہ محمود نے اگرچہ خطا کی۔ مگر میرے شاہ جہانگیر نے اس کی تلافی کردی۔ اس صرفہ کاری یعنی مکر و حیلہ سے محمود کا یہ فائدہ ہوا۔ کہ اس کا نام جو محمود تھا وہ مذموم ہوگیا۔

البتہ طالب آملی کے شعر سے احتیاط کے معنی نکلتے ہیں۔ یعنی شراب کے بارہ میں احتیاط نکر خوب فضول خرچی سے کام لے۔ خم تیرا ہی ہے جتنی چاہے پی۔

محسن تاثیر کے شعر میں فائدہ کے معنے ہیں۔ یعنی۔ اگر میں اپنا تمام نقد ہستی اس کی راہ میں خرچ کردوں تب بھی تیری زلف اپنا ایک سر مو فائدہ نہ چھوڑے گی۔ بہر صورت محسن تاثیر کا شعر حاکم کی توثیق کے واسطے کافی ہے اس شعر سے بھی صرفہ بمعنی احتیاط ثابت ہوتا ہے ؎

در شیفتہ بادہ شوی صرفہ نگہدار   کایں عربدہ جو سخت تنکظرف و غیور است

یعنی اگر تو شراب پیتا ہے تو احتیاط کرتا رہ۔ کیونکہ یہ عربدہ جو نہایت تنک ظرف اور غیور ہے لغات میں احتیاط کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) وارستہ نام لکھا ہوا ہے۔ مولانا آزاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ خان آرزو کے بعض اعتراضات کا جواب وارستہ سے دیا گیا ہے۔ اور بعض کا نہیں دیا گیا چنانچہ نمونتاً بعض اعتراضات اور جوابات لکھے جاتے ہیں۔

معنی بھی ملتے ہیں۔ لہذا آرزو کے اعتراض کو سوائے فضول اعتراض کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حاکم
چو لالہ داغ بدل سوختم کہ ساغرِ مے — بدست داد پس از خوں شدن بہار مرا

اعتراض آرزو۔ خوں شدن بیدل۔ ناصر علی۔ اور ان کے متبعین کے کلام میں پایا جاتا ہے مگر میرے نزدیک درست نہیں ہے۔

جواب وارستہ۔ باوجودیکہ اساتذۂ قدیم کے کلام میں خون ہونا درست ہے پھر کیا سبب ہے کہ خان آرزو اس کو نہیں مانتے۔ نظامی کا یہ شعر دیکھئے ؎

دل زجانان داشتم تا گشتہ ام نظارگی — یا زغم سیر آمدم یا خوں شدم یکبارگی

حیاتی گیلانی۔ آورم نزد تو شعر و از خجالت خوں شوم — ہمچناں دانم کہ بر جبریل قرآں میبرم

(مولف) خان آرزو کے اعتراضات کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آخر خوں شدن پر اعتراض کیوں کیا ہے بعض محققین کا خیال ہے کہ خوں شدن کا اطلاق غیر شخص پر مسلم ہے شخص درست نہیں جیسے کہ اس شعر میں نگاہ پر اطلاق کیا گیا ہے۔

طاہر وحید۔ خوں شد نگہ از حسرت روی تو بچشمم — چون مرغ گرفتار کہ در دام بمیرد

مرزا بیدل کے بیاں اکثر جگہ خوں شدن لایا گیا ہے اور وہاں شخص اور غیر شخص کی قید نہیں لگائی گئی۔ ملاحظہ ہو ؎

حیف سازت کہ نفس پردۂ آہنگ شدم — چہ قدر ناز تو خوں گشت کہ من رنگ شدم

چہ خواہد کرد تا با صافی آئینہ دلہا — گر فتم آہ من خوں گشت دیدار کرد تاثیرے

مژدہ ات بیدل کہ امشب از تغافلہای یار — آرزوہا باز خوں میگردد و دل می شود

حاکم۔ اے وائے من کہ یار چو آمد بخاک من — افشاند جائے گل بسر گور پشت دست

اعتراض خان آرزو۔ پشت دست افشاندن اگر کہیں دیکھا ہو تو محفوظ رکھئے سند میں پیش کرنا ہوگا۔

جواب وارستہ۔ غریب حاکم نے بغیر دیکھے بھالے نہیں لکھا ہے۔ ضرور دو چار جگہ دیکھا ہے آپ بھی دیکھ لیجئے۔

صائب۔ ہر کس فشاندہ بر من پر شور پشت دست — از جہل زد بخانۂ زنبور پشت دست

مخلص کاشی۔ از شرح ساعدت ید بیضاست نامہ ام — گل گل فشاند بر شجر طور پشت دست

(مولف) پشت دست افشاندن۔ اور پشت دست زدن دونوں محاورے ہیں۔ جن کے معنی رد کرنے کے ہیں چنانچہ مخلص کاشی کا اسی غزل کا دوسرا شعر ہے ؎

نقرم زدہ بحشمت فغفور پشت دست — کے روئے دست دولت دنیا خوریم کے

حاکم — بہ نفس خویش مدارائے فاسق از ترس است — چو شیشہ دل کہ ہم از دہا گرفت وگزشت

اعتراض۔ مجھے شیشۂ دل کی اصطلاح معلوم نہیں کیا معنے ہیں۔

وارستہ۔ شیشہ دل۔شیشہ جان شیشہ خاطر اساتذہ کے کلام میں بہت ہے۔ رعایتاً ایک شعر لکھا جاتا ہے

صائب۔ ہر شیشہ دلے حوصلۂ شور ندارد — عریاں جگرے خانہ زنبور ندارد

(مولف) شیشہ دل سخت جان کے معنی میں اساتذہ کے کلام میں اکثر پایا جاتا ہے

صائب — از دیدن رویت دل آئینہ فرو ریخت — ہر شیشہ دلے طاقت دیدار ندارد

" — تو شیشہ دل نہ ہی تن بسختیٔ ایام — وگرنہ لعل زکوہ و کمر شود پیدا

" — من شیشہ دلم حوصلۂ سنگ ندارم — دارم سر صلح و جگر جنگ ندارم

نظامی — بر آں شیشہ دلاں از ترک تازی — ملک را پیشہ گشتہ شیشہ بازی

شیشہ جان کی مثال :۔

صائب۔ سنگم از سنگلاخ تن یکبار — باہمہ شیشہ جانی آمدہ ام

مگر میرے نزدیک یہاں پر خان آرزو کا اعتراض صحیح ہے۔ کیونکہ حاکم کے شعر میں شیشہ دل سے سخت جان کے معنی پیدا نہیں ہوتے۔

حاکم۔ ز دست جامۂ تلخ فلک دلم تنگ ست — دہانِ مار ازیں بہ گر آستیں تنگ است

اعتراض۔ نہ معلوم جامۂ تلخ کیا بلا ہے۔

جواب وارستہ۔ جامۂ تلخ ماتمی سیاہ کپڑے کو کہتے ہیں مرزا صائب نے کئی جگہ لکھا ہے۔

گر ندارد ماتمِ ایمان ایں دل مردگاں — از چہ دارد جامۂ خود کعبہ اسلام تلخ

خود میں نے بھی یہہ محاورہ باندھا ہے۔

وارستہ۔ نیست و ز دہر زباں بازی اگر مایہ درد — از چہ رو جامۂ تلخ است بہر سوسن را

حاکم۔ غلط ساز ند مردم بعد ازیں ہا روزن گلخن — چنیں گر بے تو ام از چشم حیراں دوی خیزد

اعتراض۔ "روزن گلخن" سے اگر "در گلخن" مراد ہے۔ تو گلخن میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا ہے اسکو روزن نہ

کہنا چاہئے۔ اور اگر اس وزن سے وہ روزن مراد ہے جسے ہندوستان میں ڈودکش کہتے ہیں اور دھواں نکلنے کے لئے بنا دیتے ہیں تو وہ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

جواب وارستہ - ملا طاہر وحید "روزن گلخن" کہتے ہیں۔

چو لالہ روزن گلخن بود دگر جانم ازیں چہ سود کہ در باغ کشتہ اند مرا

ڈودکش کو اہل ہند کا محاورہ کہنا زباندانی کی جان پر ستم کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ فارسی کا ہے طاہر نصیر آبادی کبھی ہندوستان میں نہیں آیا مگر اپنی نثر مسمیٰ بہ خواب وخیال میں لکھتا ہے (فقرہ) آنکہ از دُود عود پریشاں میشد در دودکش حمام مقامش دادم۔ اسیطرح مصنف ابراہیم شاہی کہتا ہے "دودکش روزن مطبخ دگرمابہ و دیگدان"

حاکم - چوں بکویت میرسم اے رشک حور از راہ دور میرسد آواز در گوشم کہ دور از راہ دور

اعتراض - پہلے مصرع میں راہ میں اضافت توصیفی کا استعمال کیا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں دور از راہ میں اضافت نہیں ہے اس لئے قافیہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

جواب وارستہ - نقیر اللہ آفریں کے شعر میں بھی ایسا ہی ہے۔

ہست گویا زاں دہاں رنگیں نشان غنچہ را چوں لب پاں خوردہ می بوسم دہان غنچہ را

اس میں دیکھئے کہ اگر پہلے مصرع کا قافیہ بغیر یائے تنکیر کے لکھتے ہیں تو معنے پیدا نہیں ہوتے۔ اور اگر مصرع ثانی میں بھی یائے تنکیر لاتے ہیں تو بھی کوئی معنی نہیں رہتے ہیچ ہے۔

اگر شعر بزرگاں دیدہ باشم بہ شعر خویش کم خندیدہ باشم

(مولف) میرے نزدیک یہ عیب قافیہ کا نہیں بلکہ ردیف کا عیب ہے جس پر خان آرزو نے اعتراض کیا ہے اور جو سند وارستہ نے پیش کی ہے اس میں قافیہ کی غلطی ہے۔

حاکم - سبز بختی عاقبت حاکم مرا رسوا نمود بر زمرد کندہ حکاک قضا نام مرا

اعتراض - اس میں رسوا کرنا جو کہا گیا یہ غلط ہے اس واسطے کہ مہر پر نام کندہ ہونا سبب شہرت ہے نہ کہ سبب رسوائی۔

جواب وارستہ - شہرذ و جہتین ہے جو نیکنامی او بدنامی دونوں پر مشتمل ہے۔ اسی سبب سے لفظ انگشت نما کا بھی دونوں پر اطلاق ہوتا ہے وہ بدنامی ہو یا نیک نامی۔ چنانچہ سالک یزدی کا یہ شعر ہے جو حاکم کے خیال کی تائید و توثیق کرتا ہے۔

بگذر از نام کہ تا گل نکند رسوائی　　خاتم انگشت نما گشت کہ نامے دارد

اس میں بھی خاتم کے ساتھ رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے۔

(مولف) شہرت میں بدنامی اور نیکنامی دونوں ممکن ہیں جیسے کہ مومن کہتے ہیں ؎

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

حاکم۔ دل بخوں غلطد ز ابرو و نگاہ چشم یار　　ہمچو آں صیدیکہ حاکم میخورد بسیار تیغ

اعتراض۔ تیغ خوردن ہم نے کلام ثقات میں نہیں دیکھا۔

جواب وارستہ۔ دیکھئے دیوان طالب آملی سے نکال کر یہ سند دی جاتی ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

بہ شرب آبحیات آں کساں کہ نازند　　بخوردہ اند بہا نازدست جاناں تیغ

چنانکہ گرسنہ معتز قلم بذوق خورد　　تواں ز دست تو خوردن بہ اشتہا شمشیر

جیسے شمشیر خوردن۔ یا تیغ خوردن ہے اسی طرح خنجر خوردن بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ خود جناب ہی نے سراج اللغۃ میں سند آیہ شعر لکھا ہے ؎

ماتند خو چو شعلۂ شو قیم بے ضرر　　کس خنجر کشیدۂ ما را نمی خورد

اور لطف یہ ہے کہ اسی شعر پر اُلجھے بھی ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ (ما) جمع ہے اور (تند خو) مفرد ہے اس طریقے ہم نے کلام اساتذہ میں نہیں دیکھا۔ یہ غرابت سے خالی نہیں ہے مگر بندہ وارستہ عرض کرتا ہے کہ کچھ بھی غرابت نہیں ہے دیکھئے فیضی کا یہ شعر دیکھئے ؎

از کنہ کمال او چہ نالیم　　ما ہیچداں آفرینش

اگر آپ کا خیال صحیح ہوتا تو ما ہیچداناں لکھا جاتا۔

(مولف) اس کی مثالیں کلام اساتذہ میں بہت سی ملتی ہیں۔ معلوم نہیں کہ سراج المحققین خان آرزو نے کس بنا پر یہ لکھا بلکہ فارسی میں تو شاید ہی کسی کا کلام ہو جس کے یہاں یہ شتر گربگی نہ پائی جائے سعدی ؎

کرمیا بہ بخشائے بر حال ما　　کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا

حاکم۔ لعل تو شیرین مسی مالی تو آمد بیاد　　شربت نیلوفری شد آب حسرت در دہن

اعتراض۔ اگرچہ مرزا مظہر جان جاناں نے بھی باندھا ہے مگر کچھ اچھا نہیں باندھا۔

جواب وارستہ۔ اس کے تو معترض صاحب خود قائل ہیں کہ یہ تشبیہ پہلے بھی کلام شعراء میں داخل ہو چکی ہے

صہبائی - معترض کو پہلے تو فارسی کے قاعدہ پر نظر ڈالنی چاہئے - قاعدہ یہ ہے کہ کبھی اُن کلمات میں جنکے آخر میں الف ہے - ی - کا اضافہ کردیتے ہیں - جیسے خدا سے خدائے اور آشنا سے آشنائے - جیسے سعدی کہتے ہیں ؎

ہمائے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد | کہ استخواں خورد و طایرے نیازارد

اور برعکس اس کے کبھی یائے اصلی کو جو الف کے بعد آتی ہے گرا دیتے ہیں - جیسے کہ جائے اور نائے کو جا - اور - نا - استعمال کرتے ہیں - تنگنا - اس کی بہترین مثال ہے - اِس صورت میں سند کی ضرورت نہیں کہ ہائے ہا کی سند لائی جائے اور اگر خان آرزو کو سندہی کی ضرورت ہے تو مومن استرآبادی کا یہ شعر موجود ہے ؎

ہائے وہوئے میرسد امشب بگوش ہوش باز | ہمنشیں از گریہ پر ہائے ہا معذور دار

سنجر کاشی حضرت علی کی منقبت میں کہتا ہے اس قصیدہ کی روی الف مقصورہ ہے ؎

در موج خیز دامن من کش کنارہ نیست | ہمچوں حباب کشتی نوح ست بے بقا

سلماں بدست ارزں اگر دیدیم چنیں | بگریستے بحالتم آنگہ بہلے ہا

اصل یہ ہے کہ اس لفظ میں کلمہ ہائے کی تکرار ہے اور اس کا استعمال یا کے ساتھ - اور بغیر یا کے دونوں طرح جائز ہے ؎ ہر کجا شورے بہا ہوئے دل است | تا نفس بر میکشی بوئے دل است

جب ذات الیاء کی تکرار کریں گے تو ہائے ہائے کہیں گے - اور جب محذوف الیاء کی تکرار کریں گے تو ہا ہا ہو جائیگا - اور جب دو مختلف صورتوں کو جمع کریں گے تو ہائے ہا ہو جائے گا - اب یہ تین صورتیں ہوئیں جن میں سے پہلی صورت کے خود خان آرزو بھی قایل ہیں - دوسری صورت کی مثال یہ ہے - نعمت خاں عالی

گشت او مشغول بہ ہا ہائے خود | ماحضر نیرا نجناں برجائے خود

حزیں - | تو کز ابر کف آب بے تشنہ کاماں انہ بخشائی | چرا چوں باد دامن میزنی آتش بجاناں را

اعتراض - اس شعر میں معشوق کی تعریف ممدوح کی طرح کی گئی ہے - علاوہ ازیں بخشائش اور بخشائیدن محل ترحم میں مستعمل ہے - عطا اور بخشش کے لئے سند کی ضرورت ہے -

جواب صہبائی - معشوق کی ممدوحانہ اور ممدوح کی معشوقانہ رنگ میں تعریف کرنا ہر چند کہ بہت نامناسب ہے مگر کیا جائے - متقدمین نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے - چنانچہ انوری کہتا ہے ؎

گفتا گرت زگفتہ خود قطعۂ دہیم | مانند گفتہ ہائے تو مطبوع و آبدار

گفتم کہ ایں عجب ز خداوندی تو نیست | اے انوریت بندہ وچوں انوری ہزار

رہا دوسرا اعتراض کہ بخشائیدن اور بخشائش محل ترحم میں استعمال ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بیشتر اسی معنی میں مستعمل ہے۔ مگر اکثر لوگوں نے بخشش کے معنی میں بھی لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی ؎ کہتے ہیں

خورد و پوش و بخشائے و راحت رساں   نگہ می چہ داری ز بہر کساں

اسی طرح خسرو علیہ الرحمہ بھی اسی معنی میں استعمال کر گئے ہیں ؎

جدا گانی از ہر معانی طراز   اگر دم زنم قصہ گردد دراز
نہ من زاں فگندم دریں کوچہ رخش   کہ یابم ز بخشائش شاہ بخش

حزیں۔ دریں فکرم کہ تعلیم جبیں سازم سجودش را   بداغ دل دہم من یا عذار مشکسودش را

اعتراض۔ عذار مشکسود کے کیا معنے ہیں کاکل مشکیں اور مشک سود فصحا کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ عذار مشک سود میں صحت کی خوشبو ناپید ہے۔

جواب صہبائی۔ اہل انصاف جانتے ہیں کہ مشک سود صحیح ہے۔ مگر جن لوگوں کے دماغ کو حسد کے زکام نے خراب کر دیا ہے انھیں خوشبو نہیں آسکتی آصفی کا شعر ہے ؎

توئی کہ نیست عذار تو مشکسود ہنوز   منم کہ ز آتش حسنت ندیدہ دود ہنوز

یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید عذار کو بہ اعتبار خط کے مشک سود کہا گیا ہے۔ مگر بابا فغانی کے شعر میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے اس کو کوئی کیا کرے گا۔

اے خطت ریحان و خالت لالۂ رخسار مشک   نرگست آہوئے چیں و غمزۂ خونخوار مشک

اور عجیب بات یہ ہے کہ غمزہ اور خال کو مشک کی تشبیہ سے آلودہ کر دیا ہے ؎

روئے تو مشک ماند و زلف بہ خوں   میگویم و می آیم ازیں عہدہ بروں
مشک ہست ولے ہنوز اندر ناف است   خون است ولے آمدہ از نافہ بروں

مگر حق یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی تشبیہ مغالطہ ہے۔ اور تشبیہ مغالطہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو کسی ایسی چیز سے تشبیہ دیں کہ عرف عام میں اس کے برعکس ہو پھر اس کا تدارک رفع مغالطہ کے لئے کیا جائے ظاہر ہے کہ مشک ناف میں خون ہی ہے اور وہ خون جو ناف سے باہر نکل آیا ہو مشک ہے۔

حزیں۔ جہاں یکسر خراب از وضع ایں مستشیناں شد   مثلث بود خاصیت ہمانا ایں مربع را

اعتراض۔ مثلث ایک خط ہے مربع کی مانند نہ کہ خاصیت۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اس مربع کی خاصیت مثلث کی